سال
۶۷

کمال دہلی

قطعہ تاریخ اشاعت رسالہ ہذا از نتائج طبع بدری کرشن صاحب فروغ [illegible]

یہ وہ گلدستہ گلشن [illegible] | [illegible] ظاہر ہے عجب جاہ و جلال دہلی

سال ہجری [illegible] بسم [illegible] برآں مصرع | واہ کیا خوب ہے تالیف کمال دہلی

جلد ۱ — بابت ماہ جنوری [illegible] ۱۹۱[illegible] — نمبر ۸

فہرست مضامین

ایڈیٹر و پبلشر پیارے لال [illegible] و چودھری [illegible] پرشاد [illegible] دہلی

[illegible] اشاعت [illegible]

مسٹر [illegible] دہلی میں باہتمام بابو [illegible] چھپکر شائع ہوا

رشک

اعلیٰحضرت فلک رفعت ناصر الملک مخلص الدولہ مستعد جنگ امیر الامرا
لفٹنٹ کرنل ہز ہائنس نواب محمد حامد علیخاں صاحب بہادر جی سی آئی ای
دام اقبالہم فرماں روای دار السرور ریاست رامپور

رنجش کی ساری باتیں اُن کی زبان پر ہیں
ہم سے بہت کھنچے ہیں کس آن بان پر ہیں

چھد جائیگا کلیجہ ظالم تری نظر سے
تیر نگہ کے پیکاں دونوں کمان پر ہیں

فصل بہار آئی غنچے چٹک رہے ہیں
جو خار ہیں چمن میں بلبل کی جان پر ہیں

کیا کیا ستم کیے ہیں سرخی نے تیرے لب کی
یہ خون عاشقوں کے سب ایک پان پر ہیں

کیسا ہے دل لگانا پوچھے کیے کوئی ہم سے
جتنے مزے اُٹھائے اب تک بان پر ہیں

سینہ سپر کیا ہے اِس آرزو سے ہم نے
تودے ہوئے وہ پیکاں اپنے کمان پر ہیں

دل کو عجب تڑپ ہے ملتی نہیں تسلی
سارے جہاں کے صدمے اِس نیمجان پر ہیں

برباد ہو رہی ہے مجھ ناتواں کی مٹی
چھائے ہوے بگولے اُنکے مکان پر ہیں

بلبل سے کچھ نہ پوچھو کلیاں جو کھل رہی ہیں
کرتی ہیں سرد آہیں نالے زبان پر ہیں

جو کچھ ہے میرے دل میں کیا جانیں آپ اسکو
موقوف ساری باتیں میرے بیان پر ہیں

ہاتھوں سے دل کو کھویا آنکھوں سے خون رویا
اب آہ اور نالے سب آسمان پر ہیں

بچپن ہوا ہے رخصت۔ آتی ہے اب جوانی
رنگت نکھر رہی ہے جوبن اُٹھان پر ہیں

آنکھیں تری غضب ہیں۔ تیری بھویں ستم ہیں
دو نیمچے ہیں گویا۔ اور دونوں سان پر ہیں

سب آشیاں اُجاڑے دل بلبلوں کے توڑے
صیاد یہ مظالم تیری ہی جان پر ہیں

پلکیں تری نکیلی چھوڑیں گی کس کو زندہ
یہ تیر قاتل ہر دم کمان پر ہیں

جتنے اُٹھائے صدمے اُلفت میں رشک ہم نے
مشہور ہیں وہ قصے سب کی زبان پر ہیں!!

بٹھار کھا تھا۔ کہاں ہیں وہ اصحاب جو اِس بات کے دعویدار ہیں کہ دلّی والوں نے بعد میں لکھنو والوں کی تقلید کی ہے۔ یہ اُن کا خیال کسی حالت میں بھی قائم نہیں رہتا۔ کیونکہ جو زبان اِس قصیدے میں موجود ہے یہی زبان اب بھی دلّی میں بولی جاتی ہے۔ لکھنو کی زبان کا اثر دلّی کے اہلِ زبان پر ہرگز نہیں پڑا۔ اور نہ کوئی اس کی معقول وجہ موجود تھی۔ بلکہ دلی والوں میں وہ مبتذل محاورات جو لکھنو والے اپنے کلام نظم و نثر میں برت جاتے ہیں پسندیدہ نگاہوں سے نہ پہلے دیکھے جاتے تھے نہ اب دیکھے جاتے ہیں۔ ہَٹ دھرمی اور خودستائی تو دوسری بات ہے ورنہ جو کچھ اصلیت ہے سب جانتے ہیں۔

اِس قصیدے میں جو کچھ زبان۔ شوکت الفاظ۔ بندش۔ محاورات کا بے ساختہ پن موجود ہے اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ روزِ ازل سے مرزا غالب کے ہی قلم کی بلاگردانی کے واسطے خلق ہوئی تھیں۔ لیکن انصاف سے دیکھنے والی نگاہیں البتہ درکار ہیں۔ ۔ایڈیٹر

وھو ہذا

مرحبا سالِ فرخی آئیں | عید شوال و ماہ فروردیں
شب و روزِ افتخارِ لیل و نہار | مہ و سالِ اشرف شہور و سنیں
گرچہ ہے بعد عید کے نوروز | لیک ہیش از سہ ہفتہ بعد نہیں
سو اس اکیس دن میں ہولی کے | مجلسیں جابجا ہوئیں رنگیں
شہر میں کوبکو عبیر و گلال | باغ میں سو بسو گل و نسریں
شہر گویا نمونۂ گلزار | باغ گویا نگار خانۂ چیں
تین تہوار اور ایسے خوب | جمع ہرگز ہوئے نہ ہونگے کہیں
پھر ہوئی ہے اِسی مہینے میں | منعقد محفلِ نشاط قریں
محفلِ غسلِ صحتِ نواب | رونق افزائے مسندِ تمکیں
بزم گہ میں امیرِ شاہ نشاں | رزم گہ میں حریفِ شیر کمیں
پیش گاہ حضور شوکت و جاہ | خیر خواہِ جناب دولت و دیں
جن کی مسند کا آسماں گوشہ | جنکی خاتم کا آفتاب نگیں
جن کی دیوارِ قصر کے نیچے | آسماں ہے گدائے سایہ نشیں

ابراہیم پریس میں
شائع۔

دہر میں اِس طرح کی بزم سرور / نہ ہوئی۔ ہو کبھی بروے زمین

انجم چرخ گوہر آگیں فرش / در سے ماہ ساغر سیمیں

راجہ اندر کا جو اکھاڑا ہے / ہے سو وہ بالائے سطح چرخ بریں

وہ نظرگاہ اہل وہم و خیال / یہ ضیا بخش چشم اہل یقیں

واں کہاں یہ عطا و بذل و کرم / کہ جہاں گدیہ گر کا نام نہیں

یاں زمین پر نظر جہاں تک جائے / ژالہ آسا بچھے ہیں درِ ثمین

نغمۂ مطربانِ زہرہ نوا / جلوۂ لولیانِ ماہ جبیں

اس اکھاڑے میں جو کہ ہے مظنون / یاں وہ دیکھا بچشم صورت بیں

سرورِ مہر فر ہوا جو سوار / بہ کمالِ تجمل و تزئیں

سب نے جانا کہ ہے پری توسن / اور بالِ پری ہے دامن زیں

نقشِ سمِ سمند سے یک سر / بن گیا دشت دامنِ گلچیں

فوج کی گردِ راہ مشک فشان / رہروؤں کے مشام عطر آگیں

بسکہ بخشی ہے فوج کو عزت / فوج کا ہر پیادہ ہے فرزیں

موکبِ خاص یوں زمیں پر تھا / جس طرح ہے سپہر پر پرویں

چھوڑ دیتا تھا گور کو بہرام / ران پر داغ تازہ دے کے وہیں

اور داغ آپ کی غلامی کا / خاص بہرام کا ہے زیب سریں

بندہ پرور ثنا طرازی سے / مدعا عرضِ فنِ شعر نہیں

آپ کی مدح اور میرا منہ / گر کہوں بھی تو کس کو آئے یقیں

اور پھر اب کہ ضعف پیری سے / ہو گیا ہوں نزار و زار و حزیں

پیری و نیستی خدا کی پناہ / دست خالی و خاطر غمگیں

صرف اظہار ہے ارادت کا / ہے قلم کی جو سجدہ ریز زمیں

مدح گستر نہیں دعا گو ہے / غالبِ عاجزِ نیاز آگیں

ہے دعا بھی یہی کہ دنیا میں / تم رہو زندہ جاوداں۔ آمین

رسالہ نیرنگ رامپور

بابت ماہ نومبر سنہ ۱۹۰۹ء میں "ایڈیٹر صاحب کمالِ دہلی اور ہم" کی سرخی سے۔ جناب مولوی سید محمد نقی صاحب لکھنوی نے اپنے ایک طول طویل مضمون میں بہت کچھ رنگ آمیزی کی ہے جی تو یہی چاہتا ہے کہ اُس کے ایک ایک فقرے کا جواب ترکی بہ ترکی اس پیرائے میں دیا جائے جس سے جناب سید صاحب موصوف کی تمام علمی قابلیت اہل بصیرت پر عیاں ہو جائے۔ لیکن چونکہ ہم اپنے رسالہ "کمالِ دہلی" کو گلدستۂ نیرنگ کا ہمنوا بنانا نہیں چاہتے اِس لیئے اس طول طویل لفظی بحث میں پڑکر ناظرین رسالہ کو مکدر کرنا منظور نہیں جس کا نتیجہ باہمی شکررنجی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اگر سید صاحب معقولیت کے ساتھ کسی علمی بحث کو چھیڑتے اور اہلِ لکھنو جو مستند ملنے جاتے ہیں وہ بھی اُنکو اپنے زمرہ میں شمار کرتے تو کچھ مضائقہ نہ تھا۔ ہم نے تو جہانتک سید صاحب کے مضمون پر غور کیا سوائے طعن و تشنیع کے کسی جگہ بھی انصاف اور تہذیب سے کام نہیں لیا ہے سعدی شیرازی سچ فرما گئے ہیں ؎ کس نیاموخت علم تیر از من — کہ مرا عاقبت نشانہ نہ کرد

ہاں صاحب سچ ہے۔ سید صاحب آپ موجد ہیں ہم مقلد ہیں۔ کہاں رسالۂ نیرنگ اور کہاں کمال دہلی۔ جو اس سے ہم آہنگ ہو سکے۔ "ارے صاحب" کا محاورہ اہل لکھنو کے زبان زد ہو کر فصاحت کے دفتر میں رجسٹری شدہ ہے اور اس کے ساتھ تمام پوربی الفاظ بھی پیٹنٹ ہیں۔ ذرا منصف مزاج اصحاب غور فرمائیں کہ "ارے" کا لفظ دہلی میں اپنے سے چھوٹے درجے والے یا مبتذل لوگوں کے ساتھ گفتگو میں عموماً بولا جاتا ہے۔ لکھنوی صاحبان نے اِس قید کو توڑ کر بلالحاظ خوردی و بزرگی استعمال کرنا شروع کر دیا اور اُسکے ساتھ صاحب کا پیوند بھی کتنا خوشنما لگایا ہے کہ ماشاء اللہ و چشم بد دور۔ اور پھر فصاحت کا دعویٰ سبحان اللہ اپنے ہی منہ سے میاں مٹھو۔

وہ اسم جو مؤنث بولے جاتے ہیں اُنکے ساتھ فعل مذکر اس ترکیب سے لانا جیسے روٹی کھانا پڑی۔ دال کھانا پڑی وغیرہ۔ کتنا فصیح ہے۔ بالکل سر سے پاؤں تک فصاحت

قربان ہو رہی ہے۔ اور اس پر یہ دعویٰ کہ دلّی والے ہمارے مقلد ہیں۔ لکھنؤ کی زبان خاص الخاص فصاحت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے۔

ہم مستند مانتے ہیں میر حسن دہلوی کے پوتے میر انیس کے مرثیوں کو۔ بیشک وہ خاص طور پر قابل داد ہیں۔ لیکن عشرہ محرم میں صرف دس دن کے لحاظ سے ہندوستان بھر کے بڑھے۔ بچے۔ جاہل مرد عورتوں کے دلوں پر سکہ بٹھا دینا۔ دعویٰ کیا ہی طلسمات کا نمونہ ہے۔ ہم دور دراز زمانہ کی طرف کیوں جائیں۔ یہیں دیکھ لیجئے کہ حضرت فصیح الملک داغ دہلوی کا کلام جتنا مقبول خاص و عام ہوا ہے۔ کبھی کسی لکھنوی شاعر کے کلام کو بھی یہ رتبہ حاصل ہوا۔ اتنے شاگرد۔ اتنی عزت و مرتبہ کسیکو بھی ملا۔ بس یہی زبان مستند ہے اور اسی کو ٹکسالی اردو کہتے ہیں کہ جس سے سب یکساں علیٰ قدر مراتب محظوظ ہوں اور وہ الفاظ انکے زبان زد ہو جائیں۔ ملک نے مان لیا ہے۔ اہل بصیرت قدر کرتے ہیں اور جمہور کا اتفاق ہے۔ اگر اس پر بھی کوئی نہ دیکھے نہ سمجھے تو یہ اسکی آنکھ کا قصور اور اسکی خطا ہے

ذیل میں ہم اپنے معزز دوست جناب عبد العلی صاحب تنہا ایڈیٹر مخبر عالم مراد آباد کا وہ مضمون جو اخبار مذکور کے صفحہ ۳ جلد ۷ مطبوعہ ۳۱ دسمبر ۱۹۰۸ء میں "شاعرانہ مذاق" کی سرخی سے شائع ہوا ہے درج کرتے ہیں جس۔ سید محمد نقی صاحب کا اس لکھنے کا باعث یقیں ہے کہ ناظرین بھی اس سے لطف اٹھائیں گے ۔ ایڈیٹر

شاعرانہ مذاق

"کمال" و "نیرنگ" میں جو ایک عرصہ سے دلّی و لکھنؤ کے شعرا میں چھیڑ چھاڑ ہو رہی تھی اس کا تو خاتمہ گزشتہ ہفتہ کے کمال میں اس طرح ہوگیا تھا کہ خود انجمن اصلاح سخن لکھنؤ کے لائق سکرٹری خواجہ محمد عبد الروف صاحب عشرت۔ اور ایک لکھنوی خاندانی شاعر مرزا جعفر علی صاحب لکھنوی نے کمال میں اپنی اپنی چٹھیاں چھپوا دیں کہ لکھنؤ کے شعراء جس طرح سے ہمیشہ شعرائے دہلی کو نظر عزت سے دیکھتے رہے ہیں اسی طرح اب بھی

نظرِ وقعت سے دیکھتے ہیں اور ہرگز شعرائے لکھنؤ اس ناگوار حملے کے طرفدار نہیں۔ بلکہ چہار اشخاص نے آپ کو سبع سیارہ کے لقب سے ملقب کرکے عام شعرائے دہلی و لکھنؤ کے ساتھ اسی قسم کا برتاؤ کر رکھا ہے اور یہانتک کہ خود اپنے استادوں سے بھی منحرف ہو گئے ہیں۔ اِن سے کسی لکھنوی شاعر کو ہمدردی نہیں نہ کوئی انکے مشاعروں میں جاتا ہے۔ اس لئے وہ جو کچھ کہیں وہ اپنی جانب سے کہہ رہے ہیں۔ نکہ لکھنوی شعرا کی طرف سے اُن سے ہرگز شعرائے دہلی کو مثل شعرائے لکھنؤ خطاب نکرنا چاہیئے وغیرہ وغیرہ۔

انھیں میں ایک مولٰنا سید محمد لطفی صاحب ہیں جو نیرنگ کے ورق پر ورق سیاہ کر رہے ہیں اور ایک چھوٹی سی بات کو تبنگڑ بنا کر کہہ رہے ہیں۔ آپ پر در اصل یہ شعر صادق آتا ہے۔ ؎

جو ایک انچھ کا مطلب تو ہاتھ بھر کی دعا   اور ایک گز کی تمنائے دولت دیدار

کہیں اڈیٹر صاحب کمال نے اپنے کسی گزشتہ نمبر میں پوربی بول چال کی لکھنوی زبان میں شمولیت کا ذکر کردیا تھا۔ جسپر مولٰنا صاحب موصوف نے قریبًا چار جزو اسی قسم کے جوابات میں سیاہ کیئے اور کرائے جس میں جابجا ہم پر بھی عنایت فرمائی گئی ہے۔ اور اپنے مضمون کو جہاں شیطان کی آنت کہدینے پر مجبور ہونا پڑتا ہے وہاں اُس سے بڑھکر سوا شیطان کی آنت بنانے کی کوشش کی ہے۔ اور ہندوستان کی عام زبان لکھنوی زبان اِس وجہ سے بتائی ہے کہ لکھنوی مراثی و نوحے جابجا پڑھے جاتے ہیں۔ اور دلّی والے مرثیہ گو نہیں ہیں۔ تعجب ہے کہ جن چیزوں کو سال بھر میں صرف دس دن گایا جائے اُس سے تو عام ہندوستان کی زبان لکھنوی بنجائے۔ اور جو غزلیات بارہ مہینے گلی کوچوں میں گائی جائیں اُن کا ملک پر کچھ اثر نہ پڑے۔ زمانہ جانتا ہے کہ ہندوستان بھر میں بجز شعرائے دہلی کے اور کسی جگہ کے شاعروں کا اس عام مقبولیت سے کسی جگہ کلام نہیں گایا گیا کہ ہر کہ و مہ گاتا ہو۔ مثال کے طور پر شعرائے حال میں ایک حضرت فصیح الملک بہادر داغ مرحوم ہی کا کلام ہے کہ بچہ بچہ کی زبان پر ہے اور ہر محفل میں انہی کا رنگ چڑھا ہوا ہے۔ افسوس ہے کہ مولانا صاحب بعض ایسی ہی بے معنی بات کہہ جاتے

ہیں کہ جس پر بے ساختہ کہدینا پڑتا ہے کہ آپکی رائے وعقل دراصل لونڈوں کے سبق ہی تک محدود رہ گئی ہے۔ جب ہی تو آپ کو نہ لکھنؤ والے لکھنؤ کا طرفدار سمجھتے ہیں نہ دلی والے کچھ خیال کرتے ہیں۔ پھر ایسا شخص جو جی میں آئے بکے جائے کون سنتا ہے۔

داستان اُردو

میرے نزدیک اب یہ بحث قریب قریب تمام ہندوستان میں طے ہو چکی کہ کہ ہندوستان کی زبان اُردو ہے" اگر ہندوستانی اسکو اپنی زبردستی سے نہ بھی تسلیم کریں تو وہ اسکو کیا کرینگے کہ تمام غیر ممالک اس امر کو طے کر چکے کہ "ہندوستان کی مادری زبان اُردو ہے" ایران۔ یا عرب یا روسی۔ یا چینی آدمی جب ہندوستان کے سفر کا قصد کرتا ہے تو وہ اپنی پہلی خواہش یہ ظاہر کرتا ہے کہ ہندوستان کی مادری زبان ٹوٹی پھوٹی آجائے اور وہ اس بنیادی خیال کو اُردو کی تحصیل پر ختم کرتا ہے +

اب چاہے کوئی اپنے گھر میں اس بات سے "من سمجھوتہ" کرلے کہ ہماری مادری زبان اُردو نہیں ہے۔ لیکن اس دعوے کو کسی غیر ملک والے کے سامنے ثابت نہیں کرسکتا۔ جس طرح عطر کی کشید صندل پر کیجاتی ہے۔ اسی طرح اُردو عطر کی کشید میں زبان سنسکرت کا صندل صرف ہوا۔ اُردو اصل میں سنسکرت زبان سے ماخوذ کیگئی ہے اور یہی صفت اسکے لیئے امتیاز بخش ثابت ہوئی۔ اگر اُردو کے ڈہالنے کے لیئے سنسکرت کا سانچہ نہ لیا گیا ہوتا۔ تو اب تک کب کی اُردو فارسی میں شامل ہو کر نیست ونابود ہو جاتی۔ اور ہم آپ سب عجمی زبان کو اپنی مادری زبان تسلیم کر چکے ہوتے۔

کیونکہ ہمارے حاکموں کی زبان فارسی تھی۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ سلطنت کی زبان لوگوں کو خوشامد اور ضرورت سے حاصل کرنا پڑتی ہے۔

اُردو زبان نے خود بخود پیدا ہو کر ہندوستان کی لاج رکھ لی۔ اور یہ خودرو زبان ایسی بنیاد سنسکرت سے قائم ہوئی جسکو کوئی سیلاب نہیں بہا سکتا۔ مثل ہے کہ کھونٹے کے بل بچھیرا کودتا ہے۔ اُردو کی وہی ہیں سنسکرت کا ضامن ایسا مبارک

آر واقع ہوا کہ اسکی جڑ ہلنا اب ذرا مشکل ہے۔

اسی تیس چالیس برس کے اندر انگریزی زبان کی باد صرصر کا ایک جھونکا ایسا آیا جس سے گمان غالب تھا کہ اردو کا چراغ گل ہو جائے۔ لیکن اردو نے اس جھونکے سے اپنی روشنی میں اور اضافہ کر لیا۔

بہت سے انگریزی الفاظ اردو میں شامل ہو گئے۔

اس تمام تقریر کا ماحصل یہ ہے کہ ہندوستان کی مادری زبان اردو ہے اور وہ قدرتی پیدا ہوئی اور اسکی قوت ایسی نہیں ہے کہ کوئی دوسری زبان اسکے مٹانے میں کامیاب ہو۔ پھر ایسی زبان کی خوبیوں کو خاک میں ملا کر موجودہ حالت کو دیکھتے ہوئے کسی دوسری زبان کی حمایت میں اس سے اختلاف کرنا ہندوستان کی بدقسمتی کی دلیل ہے۔

اب اس جھگڑے سے آنکھ بند کر لو اور زبان اردو کو دیکھو تو تمام ہندوستان کو ایک سخت مصیبت میں مبتلا پاؤ گے وہ یہ کہ اردو زبان کی کم مایگی سے اس بات کے لوگ محتاج ہیں کہ اپنی مادری زبان کے علاوہ ایک دوسری زبان تحصیل کریں تو علم کی دولت ان کو حاصل ہو۔

بچہ کے پیدا ہوتے ہی ماں باپ کو یہ فکر ہوتی ہے کہ اپنے فرزند کو عربی فارسی پڑھا کر مولوی صاحب یا انگریزی پڑھا کر پروفیسر یا ماسٹر یا سنسکرت پڑھا کر بدہارتی بنائیں فکر معاش سے اتنی مہلت اس زمانے میں انہیں ملتی کہ علمی فائدہ رسانی کی غرض سے کوئی پڑھے لکھے بلکہ اصلی غرض یہ ہوتی ہے کہ آسانی سے روزی پیدا کرنے کا ذریعہ حاصل ہو جائے۔ اس لحاظ سے کوئی انگریزی اسکول میں بھرتی ہوتا ہے۔ بی۔ اے اور ایم۔ اے ہونے کے بعد سرکاری ملازمت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ سرکاری ملازمت جو آجکل ایم۔ اے۔ بی اے۔ کے ڈگری یافتہ آدمی کے لئے مخصوص ہو گئی ہے اب سے بیس برس بیشتر ایک معمولی فارسی، اردو جاننے والے کو ملتی تھی۔ ملازمت کے صیغے تو اتنے ہی ہیں جتنے پہلے تھے لیکن نوکری کرنے والوں کا گروہ زیادہ

ہوتا جاتا ہے۔

فارسی اور عربی بھی لوگ اس غرض سے پڑھتے ہیں کہ کسی طرح طب پڑھکے حکیم صاحب بنکر چار پیسے کمائیں۔ تو یوں سمجھنا چاہیئے کہ جو مصیبت ہندوستان کے ہر فرد کے لیئے ہے وہ کسی دوسری سلطنت میں کسی فرد کے لیئے نہیں۔ یعنی اپنی مادری زبان کے علاوہ بھی وہ ایک دوسری زبان حاصل کریں (علمی غرض سے نہیں۔ بلکہ شکمی ضرورت سے) یہ اس لیئے کہ انکی زبان میں روٹی کمانے کے علوم کی کتابیں ہی نہیں۔ کیمسٹری کی کوئی کتاب مبسوط اردو میں نہیں ہے نہ کہیں طب اردو کے مدرسے ہیں +

اردو میں اگر تمام علوم کا ذخیرہ جمع کر دیا جائے اور اردو ہر علم کے مدرسے مکتب خانے کھل جائیں تو ہندوستان پر یہ مصیبت نہ پڑے کہ انکی عمر کا زیادہ حصہ غیر زبان کے سیکھنے میں صرف ہو۔ کسی اردو پڑھنے والے کو آپ عالم نہیں مان سکتے اس لیئے کہ اردو کا خزانہ علم سے خالی ہے۔ اردو کے دعویدار دلی اور لکھنؤ والے ابھی تذکیر و تانیث کی گتھی کے سلجھانے میں مصروف ہیں اور لفظی مناقشہ سے انکو فراغت نہیں ملی۔

میرے نزدیک اب وہ وقت آگیا ہے کہ اردو زبان میں علمی روح پھونکنے کی غرض سے اب بالکل میل جول سے کام کرنا چاہیئے۔ اور ایک دوسرے کے معینہ قواعد زبان کو عزت اور احترام کی نظر سے دیکھنا چاہیئے اور جہاں تک ممکن ہو اس اختلاف کو مٹانا چاہیئے جس میں دلی اور لکھنؤ کے علاوہ ایک تیسرے اردو سیکھنے والے کو دلی یا لکھنؤ کی تقلید کے فیصلہ کرنے میں اپنا زائد وقت صرف کرنا پڑے۔

سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ ایک دوسرے کے اختلافی الفاظ کو دونوں طرح جائز رکھکر زبان کی وسعت میں اضافہ کرنا چاہیئے۔ مثلاً جس طرح نقاب۔ بلبل۔ طرز۔ مذکر اور مؤنث دونوں طرح جائز سمجھے جاتے ہیں اور انکے لکھنے پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا اسی طرح فکر کو بھی سمجھنا چاہیئے۔ یا یہ کہ دلی لکھنؤ کے اساتذہ سخن سے متنازعہ فیہ الفاظ پیش کر کے اختلاف کو دور کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے اور اس بات کی فکر کرنا چاہیئے کہ اردو میں علمی وسعت ہو ورنہ اردو زبان کی کم مائگی سے ہمکو سخت نقصان

اُٹھانا پڑے گا +

خواجہ محمد عبدالرؤف عشرت سکرٹری انجمن اصلاح سخن لکھنو

لفظ مُسیحا کی تحقیق

اس رسالہ کمالِ دہلی بابت ماہِ نومبر ۱۹۰۹ء ہماری پیش نظر ہے۔ حضرت شاد میرٹھی کے بیش بہا مختلف مضامین کا مجموعہ جس کا عنوان "زبان اُردو کے متعلق خیالات پریشان" ہے پڑھنے کے بعد جی تو یہ چاہتا ہے کہ ہر نمبر پر کچھ خامہ فرسائی کیجائے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ ہم ایسا زورِ قلم کہاں سے لائیں کہ حضرت شاد کی طرح دریا کو کوزہ میں بھر دیں اور معرکۃ الآرا مضامین پر دو حرفی فیصلہ صادر کر دیں۔ اِس صرف بحث متروکات میں سے لفظ مسیحا کی تنقید پر قلم اٹھاتے ہیں۔ کیونکہ حضرتِ شاد کی قطعی رائے نے متقدمین و متاخرین فضلا میں سے نفر بہا کسیکو غلطی کے بدنما داغ سے پاک نہیں رکھا۔ اور نہایت ناشکری ہوگی اگر ہم اپنے علم ادب کے محسنوں پر سے جنھیں اجداد معنوی قرار دیا جاتا ہے اس زبردستی کے چھینٹے کو اُٹھا دینے کی فکر نہ کریں اور محض تو تو میں قلمی خدمت سے پہلو تہی کر کے اپنی پیشانی پر کلنک کا ٹیکا لگا رہنے دیں۔ ساتھ ہی ہم مضمون نگار صاحب کی طبعی اختراعات کی داد دینی بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ اگرچہ وطن اور بود و باش کے لحاظ سے اہلِ زبان نہیں ہیں نہ سہی۔ تاہم زبانِ اُردو کے ساتھ اِس درجہ دلچسپی رکھتے ہیں۔ کہ اصلاح و ترمیم اور تراش خراش فرما کر اپنے خیالی سانچے میں ڈھالنا اور جدید ایجاداتِ عزیزیہ کا مینہ برسانا چاہتے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں "اکثر شعرا غلطی سے اسے مسیحا لکھ جاتے ہیں حالانکہ الف ندا کے ساتھ اسے بالکل حشو ہے۔" لفظ مسیحا میں الف ندائیہ دیکھ کر جو تعجب ہوا تھا۔ امید تھی کہ چند سطروں کے بعد لغوی دلائل و صرفی شہادتوں کے معائنہ سے رفع ہو جائیگا لیکن مکرر سکرر پڑھنے کا بھی جب نتیجہ نہ نکلا تو ہمارا تعجب اس لیئے حیرت سے بدل گیا

کہ اتنا بڑا ادعا اور ثبوت ندارد حضرت شاد رائے ظاہر کرتے وقت تھوڑی سی تکلیف گوارا کر کے نگاہ غلط انداز لغات و قواعدِ فارسی پر بھی ڈال لیتے تو ہمیں اس عبارت کے لکھنے کی ضرورت نہ ہوتی - افسوس کہ جناب کی ذرا سی بے توجہی سے ناظرین رسالہ کے دل پریشان ہوئے ۔

مجھے یہ دعویٰ نہیں ہے کہ لفظ مسیحا کے متعلق میری وہ تحقیق جو آئندہ ظاہر ہونے والی ہے قطعی صحیح ہے مگر علم اللسان و فن صرف کی معتبر شہادتوں صداقت و صحت کی مؤید ہیں اُمید کہ اساتذہ وقت اور اصحاب علم جلد فیصلہ صادر فرما کر مشکوری کا موقع دینگے ۔

مسیح خواہ عربی زبان کا لفظ ہو یا عبرانی و سریانی کا قرآن مجید میں مسیح ہی آیا ہے فارسی والے مسیح اور مسیحا دونوں استعمال کرتے ہیں ۔ بلحاظ استعمال فارسی لفظ مسیحا میں الف ندائیہ کا دھوکا ہوتا ہے ۔ حضرت شاد بھی اسی دھوکے میں آ کر اسے متروک کر چکے ہیں اور ایک عالم کو اپنا ہم خیال بنانا چاہتے ہیں ۔ لیکن اُن کو سوچنا چاہیئے کہ یہ کوئی راجپوتانہ کا لفظ نہیں ہے جسکو اپنے خیالی سانچے میں ڈھالکر قبولیت عام کا تمغہ حاصل کر لینگے بلکہ فارسی و عربی لغات و قواعد میں تلاش کرنے کے بعد نتیجہ نکلے گا ۔

لغات عربی و فارسی میں سے اِس وقت صراح - قاموس - مؤید الفضلاء - کشف اللغات اور غیاث اللغات کو دیکھا گیا - قاموس اور صراح میں لفظ مسیحا کا نہ ہونا ثابت کرتا ہے کہ اہل عرب کو اس تصرف میں دخل نہیں - علاوہ ازیں عربی لٹریچر اسقدر بے باک بھی نہیں ہے کہ اہل عرب مقدس پیشوایانِ دین کو بے تکلف ہدف تشبیہ بناتے رہیں - اور ہر معمولی چکنی چپڑی صورت یا ادا کے لیئے کسی نبی یا اُسکی مخصوص قدرت سے جو خدا نے اظہار صداقت کے لیئے عنایت فرمائی ہے استعارہ کر لیا کریں - یہی سبب ہو کہ عربی ادب اِس قسم کی تشبیہات اور کنایات و مجازات سے قریب قریب محفوظ ہے ۔

باقی کی تین کتابوں میں مسیح اور مسیحا دونوں لفظوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب لکھا ہے - اور عربی کی بعض دعاؤں اور حدیثوں میں بھی دجال کے ساتھ مسیح بکسر میم و تشدید سین وارد ہے لیکن یہ ایسا فرق ہے کہ فارسی کی تحریر میں بغیر اعراب کے ادا نہیں

ہو سکتا اور زبان سے بھی تکلف و احتیاط کے ساتھ ادا کرنے سے سمجھ میں آسکتا ہے معمولی گفتگو یا عجلت کی تحریر میں اس کا امتیاز اہم ہے۔

تمام علماء و فضلاء اور اساتذۂ متقدمین و متاخرین فارسی نے نظم و نثر میں مسیحا بکثرت اور مسیح شاذ و نادر استعمال کیا ہے۔ اور بیشتر ایسے موقعوں پر لائے ہیں کہ جہاں ندا کی ہوا بھی نہیں پہنچی۔ تو کیا ایسی جگہ جہاں ندا کی ضرورت نہو حرف ندا کا بیفائدہ لانا موزوں اور درست ہو سکتا ہے۔ اور کیا نظامی۔ جامی۔ حافظ۔ عرفی۔ جیسے اہل زبان۔ فاضل علامۂ عصر ایسی فاش غلطیاں مسلسل کر سکتے ہیں۔ اُنکے کلام تمثیلاً آخر مضمون میں ایک جگہ لکھے جائیں گے۔

غیاث اللغات میں الف مسیحا کی نسبت یہ عبارت ہے "مسیحا لقب حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ بدانکہ در قرآن مجید لفظ مسیح واقع است پس زیادت الف تصرف فارسیاں باشد از بہار عجم۔ و در رسالۂ معربات نوشتہ کہ مسیحا معرب مشیحا ست کہ بہ شین و خار معجمہ باشد یعنی مبارک در زبان سریانی۔

بہر حال اضافۂ الف سے ساتھ تصرف فارسیاں مانا جائے یا معرب ہونے کے باعث مختار تازیاں کہا جائے موجودہ صورت میں لقب اور علم ہی تسلیم کرنا پڑے گا۔ یہ کسی نے نہیں لکھا کہ مسیحا میں الف ندائیہ ہے یا اسکے ساتھ حرف ندا لگا کر مسیحا کو منادیٰ بنانا جائز ہے۔ یا الف ندا نہیں ہے تو غلط و ناجائز ہے۔ حضرت شاد کے مخواسے کلام سے ٹپکتا ہے کہ مسیحا میں الف ندائیہ کے سوا اور کوئی الف ہو ہی نہیں سکتا۔ لغات اور اساتذہ کے کلام کو چھوڑ کر اب ہم آپ کو قواعد فارسی کی سیر کراتے ہیں۔ الف ندا کا براہ راست صرف و نحو ہی سے تعلق ہے۔

احسن القواعد مولفہ مولوی نجف علیخاں صاحب اصلاح کردہ مولوی محمد احسن صاحب نانوتوی پروفیسر بریلی کالج میں حرف الف کے اٹھارہ معانی و فوائد لکھے ہیں جن میں سے الف ندا کے سوا ایک الف تعظیم بھی لکھا ہے۔ اِسکی مثال میں لفظ طالیا درج ہے۔

مفتاح القواعد مولفہ مولوی محی الدین صاحب سابق اسسٹنٹ پروفیسر میو سنٹرل کالج

الہ آباد میں بھی الف تعظیم آخر اسماء و القاب میں بیان کیا گیا ہے مثال اسکی مسیحا ہے۔

غیاث اللغات نے بحوالہ رسالہ معربات جو بحث مسیحا کی لکھی ہے۔ ہم اسکی صحت اور غیر صحت سے بحث نہیں کرتے لیکن اصول صرف و کلام اساتذہ اور تحقیق اہل لغات کی مجموعی حالت پر غور کرنے سے ہمارا یہ خیال ہے کہ مسیح دجال کو بھی کہتے ہیں اور معمولی تلفظ میں اس کا فرق معلوم نہیں ہو سکتا تھا۔ اور واقعی بات بھی یہ ہے کہ عربی الفاظ کا تلفظ معمولاً جس صحت کے ساتھ اہل عرب ادا کر سکتے ہیں دوسرے ملک والوں سے نہیں ہو سکتا۔ اس لیئے اہل فارس نے اس ذم و قباحت سے بچنے کے لیئے بہ لحاظ ادب حضرت عیسیٰ بروے قواعد مسیح کے آخر میں الف تعظیم بڑھا دیا اور کثرت استعمال سے وہ الف مثل جزو اصلی کے ہو کر فصاحت اور روزمرہ میں داخل ہو گیا۔ اس الف ندا سے کچھ تعلق نہ کبھی ہوا تھا۔ نہ ہے۔ نہ ہو گا۔

حضرت شاد کو دھوکہ پیدا ہوا ہے کہ حضرت فصیح الملک مرحوم کے اس شعر میں

علاجِ دردِ دل تم سے مسیحا ہو نہیں سکتا   تم اچھا کر نہیں سکتے میں اچھا ہو نہیں سکتا

مسیحا کے الف کو الف ندا کی مثال قرار دیدیا۔ گو اہل فارس اور شعرائے اردو کہیں کہیں مسیح بغیر الف بھی لکھ جاتے ہیں لیکن اس شعر میں مسیحا کا الف وہی الف تعظیمی ہے۔ اور حرف ندا محذوف ہے۔ یہ حسن کلام اور غایت فصاحت ہے۔ کہ حرف ندا کی ضرورت ہی نہ ہوئی مضمون و ترکیب الفاظ سے خود بخود ندا پیدا ہوتی ہے۔ حضرت ذرا غور کے ساتھ بار بار اس شعر کو پڑھیئے تو میرے اس قول کا لطف اور شعر کی لطافت کا مزہ اٹھایئے گا کیونکہ جو کتابی اصول تھے وہ تو تحریر میں آ گئے۔ یہ لطف مذاق سلیم سے تعلق رکھتا ہے اور وہ ذوقی شے ہے۔ زبان و قلم سے ادا کرنا سخت دشوار ہے۔

علاوہ ان باتوں کے عقل کبھی نہیں مان سکتی کہ صدہا برس سے ایک عالم کا عالم جس میں بڑے بڑے محقق فضلا ے باکمال ہوتے رہے ہیں غلطی کرتا چلا آئے۔ اگر وہ تمام بزرگوار جنکے اشعار تمثیلاً لکھنے والا ہوں اس معمولی غلطی کو بھی محسوس نہیں کر سکتے تھے تو انکی استادی اور ان کا مبلغ علم معلوم ۔

مسیحا چونکہ فارسی کا مستعمل لفظ ہے لہذا ہمیں دیکھنا چاہئیے کہ اہل فارس کا اسکی نسبت کیا خیال ہو۔ یہ کوئی اردو کا لفظ یا محاورہ نہیں ہے جسکو اہل ہند قرار دے دیں ہمکو دوسری زبان کے ایسے لفظ پر جسکو اس زبان والوں نے بالاتفاق مان لیا ہو اور وہ رائج کر چکے ہوں اعتراض کرنے کا کیا حق ہے۔ اگر اہل عرب یا فارس اہل ہند کی زبان یا محاورے پر اعتراض کریں اور کسی صحیح لفظ کو غلط قرار دیں تو کون تسلیم کر سکتا ہے پس "آنچہ برخود نہ پسندی بر دیگران مپسند"

اساتذہ فارس نے لفظ مسیحا کی تصحیح یہاں تک کی ہے کہ اس سے مسیحائی باضافۂ یائے مصدری مصدر بنا لیا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ کسی معمولی آدمی کے نام کیساتھ الف ندا لگائیں اور اس میں یائے مصدری لگا کر مصدر گھڑ لیں۔ ہرگز نہیں۔ جب یای مصدری کے ذریعہ سے مصدر بنایا جاتا ہے تو وہ اسم صفت ہوتا ہے اس میں کوئی معنی وصفی ضرور ہونے چاہئیں جیسے دلبر سے دلبری۔ رہنما سے رہنمائی۔ اہل فارس نے مسیحا کے تقویت میں اس درجے ہمت صرف کی کہ ضرورتاً اسکی علمیت کو مٹا کر اسم صفت بنایا تاکہ تنکیری حالت پیدا ہو کر مصدریت کی لیاقت حاصل کرے۔ مگر ہمارے کرم پرور اسے اب بھی نقش برآب سمجھتے ہیں۔ وسعت نظر اسی کو کہتے ہیں اور زود فہمی اسی کا نام ہے۔ اب اساتذہ اور شعرائے فارس کے وہ اشعار پیش کیے جاتے ہیں جن میں لفظ مسیحا کا استعمال ہوا ہے۔ انکے ملاحظہ کے بعد ہمارے مکرم حضرت شاد فرمائیں کہ ان میں کونسا شعر ایسا ہے جس میں مسیحا کا الف ندا کے معنی دیتا ہے۔ اور کیا اب بھی اے مسیحا لکھنا جائز نہ ہوگا؟

نمبر شمار	نام یا تخلص	شعر	
۱	غنی	دم جان بخش و تار نگ حسرت ریخت در عالم	زمہر آئینہ پیش نفس دیدم مسیحا را
۲	ہلالی	زان خط سبز و لب لعل گزشتن نتواں	گرچہ مد مرتبہ از خضر و مسیحا گزرم
۳	غالب	درره شوق نیم تنگدل از بیم ہلاک	خضر این دشت زخوبی بہ مسیحا ماند

نمبر	نام یا تخلص	شعر	
۴	صائب	مردن بدرد عشق بہ دنیا برابر است	با زندگیٔ خضر و مسیحا برابر است
۵	〃	از لطافت خارپای دل نمی آید بچشم	ورنہ سوزن از گریبان مسیحا میکشم
۶	حافظ	فیض روح القدس ار باز مدد فرماید	دگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا میکرد
۷	عرفی	لبت بجندہ مرا می کشد چہ بدبختم	کہ داد و خوے اجل بخت من مسیحا را
۸	〃	شہید او کہ بو و آب و رنگ یاقوتش	نہند خضر و مسیحا بدوش تابوتش
۹	ظہیر فاریابی	یاد کردم از شہیدانِ تو گشتم زندہ دل	کشتۂ عشقِ تو اعجاز مسیحا میکند
۱۰	امیر خسرو	شمس آفاق خضر خان کہ لطف جان بخش	ہر دمش معجزۂ خضر و مسیحا بینم
۱۱	نظامی	بہارہ ونیش خضر و موسیٰ دواں	مسیحا چہ گویم بہ موکب رواں
۱۲	بدر چاچ	صبح پر کتف پہ ہوا نہ زند پارۂ زرد	دامِ جاں بخش چو انفاسِ مسیحا آورد
۱۳	احمد جام	گر دمے یک نفسی فضل ۔ سایت برسد	طالباں بہتر از انفاس مسیحا بینند
۱۴	قاآنی	گفتمش اے ترک در لبان تو گوئی	رحلِ اقامت فگندہ است مسیحا
۱۵	〃	فراز کنگرۂ عالیش امتانِ کلیم	ہزار مرتبہ در پایہ از مسیحا بر
۱۶	افشا اندجانی	عکسِ رخِ ساقی سے ہوا جام جو روشن	خورشید یہ کانپا کہ مسیحا کو غش آیا
۱۷	مومن	تلخکامی پر مجھے تجھکو لب شیریں پہ ناز	آ مرے جادو سے اعجاز مسیحائی ملا
۱۸	〃	اعجاز جان وہی ہے ہمارے کلام کو	زندہ کیا ہے ہمنے مسیحا کے نام کو
۱۹	ذوق	تیرا بیمار نہ سنبھلا جو سنبھالا لے کر	چپکے ہی بیٹھے رہے دم کو مسیحا لیکر
۲۰	رند	موت آئے یارب اُس گلِ رعنا کے سامنے	حسرت ہے جان نکلے مسیحا کے سامنے
۲۱	زکی دہلوی	ہو گئے خاک رہِ شوق میں ہم	خضر ہو کوئی ۔ مسیحا کوئی
۲۲	ناسخ	بات جو میرے مسیحا کی ہے اک اعجاز ہے	جان آجائے تنِ بیجان میں وہ اعجاز ہے
۲۳	داغ دہلوی	لب عاشقِ بیمار پہ کھولا نہیں جاتا	دم بند مسیحا کا ہے بولا نہیں جاتا
۲۴	〃	تمھاری آنکھ ہے بیمار دل بیمار ہے اپنا	کسی کے ہم مسیحا ہیں کسی کے تم مسیحا ہو

(۱) اس موقع پر ہم اپنے مکرم حضرت شاد سے یہ بھی دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ اشعار نمبر ۲۳ و ۲۴ کو

پڑھنے کے بعد بھی آپ کو یہ دعویٰ ہوگا کہ حضرت داغ نے مسیحا کے الف کو ندائیہ مانا ہے۔
یہ بھی مخفی نہ رہے کہ جناب موصوف نے اپنے مضمون میں حرف اور کی بحث کے متعلق حضرت فصیح الملک بہادر مرحوم پر بھی حملہ کیا ہے۔ چونکہ لفظ مسیحا کی بحث کو بہت طول ہوگیا ہے اور یہ بھی خیال ہے کہ غالباً متبعانِ حضرت فصیح الملک مرحوم میں سے کوئی صاحب اپنے فرض کو ادا کرینگے اِس لیئے بالفعل اُسکے متعلق میں اپنے خیالات کو روکتا ہوں۔ لیکن اتنا کہدینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُس "اَور" کی لطافت بھی طبع و مذاقِ سلیم سے تعلق رکھتی ہے ؛

سید محمود حسن ثاقب۔ رضوی دہلوی

مشرقی سوماٹرا کی بت پرست قومیں

سلسلہ کے لیئے دیکھو نمبر گذشتہ

جراٗت نہیں کرتے اگر شادی کر بھی لیں تو اُنکی اولاد اپنے آپ کو باشندۂ میلے یعنے مسلمان کہلاتی ہے جو اپنے بزرگوں یعنی قوم کیو بو سے سخت نفرت رکھتی ہے۔ سوماٹرا کی دیگر قوموں نے بھی گذشتہ چند سالوں میں مسلمان ہوکر اپنی اصلیت کو چھوڑدیا ہے کیونکہ پہلے جب وہ مذہب اسلام قبول کرتے ہیں تو میلے والوں کی عادات کی تقلید کرنے اور اُنکے قائم مقاموں سے عہدنامے کرنے کو بڑا فخر سمجھتے ہیں۔
اِس گروہ میں اندر گری۔ اورنگ سیک اور علاقہ لیمپونگ کی اورنگ انبگ قومیں بھی شامل کیجا سکتی ہیں۔ مگر سب سے مشہور بٹیک (جو اپنی نسل میں معزز گنے جاتے ہیں) گیوس (جسکے حالات سنوک ہرگرونجی کی تاریخ انسان میں پائے جاتے ہیں) اورنگ لو اور کیو بو کی قومیں ہیں۔ جنھوں نے اب اپنے قریب رہنے والی مسلمان قوم بٹیک کی عادت وخصلت کو حاصل کرلیا ہے۔ موجودہ زمانے میں سوائے کیو بو کے یہ سب قومیں سوماٹرا کے اصلی باشندوں کی عادت وخصلت کے سیکھنے کے قابل نہیں ہیں اسلیئے

یہ ایک اچھا موقعہ سمجھنا چاہیئے کہ حال ہی میں مشرقی سوماٹرا کی ریاست سیاک کے جنگلوں میں ایک ایسی اصلی آبادشدہ قوم پائی گئی ہے جسنے ابھی تک غیر قوم میں اپنی رشتہ داری نہیں کی اسکو اورنگ سکھائی کہتے ہیں جسکو ۱۸۸۴ء میں ڈچ کے دو مصنفوں ونرجن ون الکیمیڈ اور ہیمنزون انروج نے دریافت کیا ہے مگر یہ دونوں مصنف نہ اِس قوم کے جنگلوں میں پھرے ہیں اور نہ ہی اِس قوم کی بستیوں کو دیکھا ہے کیونکہ جو سُنی سنائی تاریخیں وہ ظاہر کرتے ہیں وہی خود میلے والوں نے بھی بیان کی ہیں علاوہ بریں ڈچ کے دونوں مصنف اِن لوگوں کی نسبت بہت ہی کم واقفیت رکھتے ہیں وہ اِن لوگوں کی صرف پانچ قومیں جنکو بٹین لیما کہتے ہیں ظاہر کرتے ہیں حالانکہ آٹھ ہیں جنکو بٹین لیپن کہتے ہیں اور ان سے وہ بالکل ناآشنا ہیں نہ انکو کسی قوم کا نام معلوم ہے اور جو نقشہ سرکاری طور پر بنا ہوا ہے اسمیں بھی ان قوموں کی رہایش کی غلط حدود ظاہر کی گئی ہیں۔ جو پانچ قومیں ڈچ مصنف نے ظاہر کی ہیں اُنکے نام بو مسین ہیں بٹین بیلیو۔ کیمپونگ کینڈس۔ بٹین ٹینگرن۔ کیمپونگ بنگیٹن۔ ہیں۔ یہ نام اُن دریاؤں کے نام سے اخذ کیئے گئے ہیں جن کے کناروں پر یہ قومیں آباد ہیں۔ لیکن بٹین لیما کی قوم اس وجہ سے بٹین سلیپن کے علاقوں میں آباد ہو گئی ہے کہ وہ علاقے زیادہ تر سبز و شاداب ہیں اور بٹین سلیپن کے نام ۔ [1]بٹین میدجلیلو [2]بٹین پٹیانی ۔ [3]بٹین سوتن برٹو [4]بٹین سمونائی [5]بٹین سنتیگر ۔ [6]کیمپونگ ہنبل [7]بٹین برتوآسا اور [8]کیمپونگ لیوبو ہیں۔ چونکہ ان قوموں کے سرداروں کا لقب بٹین ہے اس لیئے انکو اورنگ بٹین کہتے ہیں اور سکائی انکے مقابلہ میں بہت حقیر مانے گئے ہیں اور بٹین سلیپن۔ اور بٹین لیما۔ قریبًا قوم نوری کے برابر ہیں جو عمومًا اسٹریلیا میں بھی پائی جاتی ہیں۔ مگر انکو سکائی ہی کہنا چاہیئے۔ یہ روکن کری کی حد پر آباد ہیں۔ یہ ملک (روکن کری) گذشتہ چھ سالوں سے ڈچ والوں کے قبضہ میں آگیا ہے۔ یہ قوم سکائی اب مسلمان ہو کر بالکل میلے والوں سے مِل جل گئی ہے۔ اور منڈا سکائی سلطانِ سیاک (جو پچھلے سال راہی ملکِ بقا ہو گیا ہے) کی رعایا کہلاتی ہے۔

مشرقی سوماٹرا کا پتھریلا میدان قریبًا بہت گھنے جنگلوں سے چھپا ہوا ہے اور

انہیں دریاؤں اور نالوں کے ذریعہ سے بذریعہ کشتی وار پار جاتے ہیں۔ مشرقی سوماترا
کی بت پرست قوموں میں سے جو قوم اس میدان میں سب سے پہلے نظر آتی ہے وہ
اورنگ اکٹ ہے جو ملک منڈا میں پینیہ دریا کے کنارے پر موضع کیمپونگ پینیہ میں رہتی
ہے۔ اس گانو کے تمام مکانات دریا کے عین کنارہ پر لکڑی کے تختوں پر تعمیر ہوئے ہیں
جو رسوں سے باندھ کر محکم کئے ہوتے ہیں۔ گھروں کی دیواریں درختوں کے ستونوں کی
اور چھت خشک کھجور کے پتوں کی بنی ہوئی ہے۔ مگر چولھے تیلے والوں کی طرح معمولی
طریق کے ہیں۔ یعنی صرف لکڑی کا ایک چوگوشہ فریم مٹی اور راکھ سے بھوپا ہوا جس پر تین
پتھر باہم جوڑ کر کھانا پکانے کے برتن کا کام لیا جاتا ہے ان گھروں میں معمولی اسباب
ہوتا ہے۔ یعنی صرف پتوں کی چند چٹائیاں۔ پھلوں کے خول کی چند بوتلیں۔ مختلف
وضع کے چند چاقو۔ ایک بڑی چھری۔ لوہے کے چند برتن اور تھالیاں۔ اور مچھلی پکڑنے
کے اوزار۔ یہ سب چیزیں قوم اکٹ کی اپنی ساختہ نہیں ہیں۔ بلکہ دوسرے علاقے کے
اُن چینی بساطیوں سے خریدکردہ ہوتی ہیں جو اقوام بُت پرست میں بھی پائے جاتے ہیں۔
اکٹ قوم کی کوئی چیز بھی اپنی ساخت سے نہیں ہے یہانتک کہ کپڑے بھی تیلے والوں
کے بُنے ہوئے ہوتے ہیں۔ اوائل میں یہ قوم درختوں کے پتوں سے اپنا بدن ڈھانکتی
تھی جو اصل میں سمندر کے کنارہ پر بستی تھی۔ اس قوم نے ریاست بنک کیلس کے اردگرد
تیلے والوں کے طریق پر اپنی بستیاں بنائی ہوئی ہیں۔

اقوام اکٹ میں سے دو قوموں نے ملک کے اندرونی حصہ میں بھی اپنی بستی بنا
رکھی ہے۔ یعنی پینیہ اکٹ۔ اور سیاک اکٹ یہ دونوں قومیں پیکن بارو کے نزدیک سیاک
کے بالائی حصہ پر بھی رہتی ہیں۔ قوم پینیہ نے ایک چھوٹی سے ندی سے اپنا نام اخذ کیا
ہے جو منڈا کے بائیں جانب واقع ہے۔ چونکہ یہ قوم بالائی حصہ پر آباد ہے اور ان مکانات
کی تعمیر کے لیے تختوں کا لیجانا دشوار ہے اس لیے یہ قوم دریا کے پانی کی بجائے اپنی جھونپڑیاں
خشکی پر بناتی ہے جو انسانی زلیست کے لیے سخت خطرناک ہیں کیونکہ مٹی کے ڈھیر پر صرف
ایک چھوٹا سا چبوترہ بنا کر اس پر ترچھی چھت ڈالی جاتی ہے۔ اور یہ جھونپڑیاں اسقدر

تنگ اور انکی سقف اتنی نیچی ہوتی ہے کہ پست قد کا آدمی بھی ان میں سیدھا کھڑا نہیں ہوسکتا۔ یہ جھونپڑیاں ظاہری صورت میں مرغی خانوں کی ہمشکل نظر آتی ہیں۔ اسکے مقابلہ میں سیلوں کی قوم ویدا کی جھونپڑیاں اچھی ہیں۔

ان جھونپڑیوں میں سے ایک جھونپڑی میں انسانی عقل کا ایک نہایت عمدہ اور مفید آلہ دیکھنے میں آیا ہے۔ یعنی لکڑی کی ایک پھکنی جسکی چوٹی پر ایک لکڑی کی سنگین اور دوربین۔ اور اسی قسم کا بانس کا ایک ترکش (جو ملکا کی قوم اور نگ جیکن بھی استعمال کرتی ہے) جس میں برچھے رکھنے کے لیئے ایک نالی سی بھی ہوتی ہے اور ان برچھیوں کو سنبل الفار کی آب دیجاتی ہے ÷

اورنگ جیکن اور اکٹ کی یہ باہمی عقلی موافقت تاریخ انسانی کی تلاش سے ظہور پذیر ہوئی ہے۔ پنیسہ کی قوم اکٹ کے چودہ آدمیوں کی پیمایش سے آٹھ آدمی اورنگ جیکن کی طرح اصلی قدوقامت کے پائے گئے ہیں یعنی ہر ایک بہت ہی پست قد کا مابین ۱۴۳ و ۱۵۳ انچ کے اور بال نہایت ستھرے مگر سر شکاری کتے کے سر کی طرح جس کا چکر ۸۰ سے ۹۰ انچ کا ہوتا ہے۔ سب سے زیادہ ششدر کرنیوالی انکی عام صورت ہے۔

پنیسہ قوم کے چار آدمی ایسے دیکھے گئے ہیں جن کے قد بہت طویل اور سر کے بال موج دریا کی طرح ادھر ادھر بکھرے ہوئے یہ صورت قوم سکائی کی عورتوں کے ساتھ قوم اکٹ کے مردوں کی شادی ہونے سے پیدا ہوئی ہے۔ یہ پنیسہ اکٹ قوم اصل میں ٹھیٹھ پنیسہ تھی جس نے اپنی بستی چھوڑ کر قوم سکائی کی بستیوں میں آبادی کرلی۔ جیسا کہ پہلے بھی ظاہر کیا گیا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ بعض اکٹ آدمیوں نے اپنے ہاں کی قلت عورات کے سبب قوم سکائی کی عورتوں سے شادی کرلی ہے جو اپنی قوم کی پرانی بستیوں میں آباد تھے جسکی تصدیق خود قوم اکٹ کے آدمیوں کی زبانی بھی ہوتی ہے مگر انہیں بھی دو آدمی مختلف وضع کے پائے گئے ہیں۔

(باقی آئندہ)

اودھم سنگھ سردار۔ ایم۔ آر۔ اے۔ ایس۔ امرتسری

بدنصیب گائے

او فتنہ ساز دیکھ جفا کاریاں نہ کر مجھ بے گنہ کے قتل کی تیاریاں نہ کر
مجھ سے دمِ اخیر یہ عیاریاں نہ کر میں گاؤ بے زباں ہوں ستمگاریاں نہ کر
قصاب کے سپرد نکر مجھ غریب کو دم توڑنے دے اپنے ہی گھر بدنصیب کو

میرے لہو میں ہاتھ نہ بھر کینہ ساز تو پھیلا نہ اتنا دامنِ صد حرص و آز تو
بیکس پہ کر نہ دستِ تعدی دراز تو نیکی بدی کا سوچ نشیب و فراز تو
خواہاں نہ ہو تو ظلم رسیدہ کی جان کا انسان ہے تو صبر نہ لے بیزبان کا

سامان قتل کا نہ مرے ناسپاس کر خدمتگزاریوں کا مری کچھ تو پاس کر
دل میں ذرا خیال تو ناحق شناس کر میں بھی تو جان رکھتی ہوں آخر قیاس کر
تو مرتے دم جواب نہ دے خانہ زاد کو صدقے میں اپنے چھوڑ دے مجھ نامراد کو

کیوں زار و ناتوان کے پیچھے پڑا ہے تو کیوں ہاتھ دھو کے جان کے پیچھے پڑا ہے تو
کیوں صید بے زبان کے پیچھے پڑا ہے تو دو دن کے میہمان کے پیچھے پڑا ہے تو
تو اپنے سر برائی نہ لے مجھ کو مار کر تیرِ ستم نہ میرے کلیجے کے پار کر

لیچل نہ چوک میں مجھے نیلام کے لیئے تو کوششیں نہ کر مرے آلام کے لیئے
کیا تیرے دل میں رحم نہیں نام کے لیئے لیتا ہے جان کیوں طمعِ خام کے لیئے
کیوں کان دھر کے تو نہیں سنتا فغاں میری نقش بر آب ہو گئیں سب نیکیاں مری

گردن پہ اپنی خون نہ لے بے گناہ کا کچھ تو خیال کر مرے حالِ تباہ کا
اُلٹا بلائے جاں نہ ہو مجھ خیر خواہ کا ظالم ستم بھی اچھا ہے۔ بس راہ راہ کا
مجھ کو نہ مار کشتہ رنج و تعب ہوں میں پیری میں فرطِ ضعف سے خود جاں بلب ہوں میں

کیوں بیکسی میں ساتھ مرا چھوڑتا ہے تو کیوں مجھ فلک زدہ پہ ستم توڑتا ہے تو
کیوں میری التجاؤں سے مُنہ موڑتا ہے تو کیوں اور بھی نصیب مرے پھوڑتا ہے تو
کیوں خاک ڈالتا ہے وفاؤں پہ تو میری سب خدمتوں کو بھول گیا کینہ جو میری

مندرجہ بالا نظم منشی مہاراج بہادر صاحب برقؔ دہلوی کی تصنیف سے ہے آپنے عاشقانہ رنگ کے علاوہ اس نیچرل نظم میں جو خوبیاں پیدا کی ہیں وہ بہت کچھ قابلِ داد ہیں ہم آپکی نوجوان طبیعت کیواسطے دعا کرتے ہیں کہ ہمیشہ روز افزوں کے منازل طے کرتی رہے اور امید ہے کہ ہمارا رسالہ آپکے لیئے مفید اور دلچسپ مضامین سے آیندہ بھی خالی نہ رہے گا۔ ایڈیٹر

لالچ میں پڑ کے اپنے نہ کھو ہوش - یاد کر میری وفائیں زود فراموش - یاد کر
برسوں کیا ہے دودھ مرا نوش - یاد کر پہلے یہی تھا تیرا تن و توش - یاد کر
پی پی کے میرا دودھ ہوا شیر اسقدر پیاسا ہے خون کا مرے اندھیر اسقدر

دیکھ اپنے مُنہ کو - اپنے گریباں میں ڈالکر اتنا بڑا کیا ہے تجھے مَیں نے پال کر
مَیں تیری ماں ہوں کہیں ذرا تو خیال کر بہتر ہے اپنے ہاتھ سے مجھ کو حلال کر
لیکن مجھے نہ بیچ قصائی کے ہاتھ تو اتنا دمِ اخیر تو دے میرا ساتھ تو

تو میری نیکیوں کا ذرا دل میں کر شمار برسوں پلائی ہے تجھے امرت کی مَیں نے دھار
کڑیاں اُٹھائیں لاکھ - سہیں سختیاں ہزار ہونے دیا نہ تجکو کسی طرح زیر بار
ہر روز صبر و شکر سے کی کر بھلا بُرا رکھا ہے نعمتوں سے ترا گھر بھرا پُرا

بے عذر کھائی تو نے کھلائی جو خشک گھاس جیسا ملا نصیب سے پانی - بجھائی پیاس
اسپر بھی رنج و غم کو پھٹکنے دیا نہ پاس ہر وقت مَیں تو تیری مناتی رہی ہوں آس
افسوس محنتوں کا ملے یہ صلا مجھے اب بھی ترے ستم کا نہ ہوگا گلا مجھے

بچوں نے میرے تیرے لیئے ہل چلائے ہیں اُنکے ہی دم سے کھیت ترے لہلہائے ہیں
کندھوں پہ اپنے آہ منوں بوجھ اُٹھائے ہیں القصہ ہر طرح وہ ترے کام آئے ہیں
پھر بھی تو ان پہ رحم نہ کھایا کسی طرح محسن کُشی سے باز نہ آیا کسی طرح

اب مَیں ہوئی ضعیف تو صورت سے عار ہے اِک جانِ ناتوان تری گردن پہ بار ہے
مجھ خاکسار سے ترے دل میں غبار ہے میں کیا ہوا بھی اب تو مری ناگوار ہے
معذور دودھ دینے سے جو آجکل ہوں میں بے موت بے بسی سے شکارِ اجل ہوں میں

کیا تیرے ہاتھ آئیگا اب بیچکر مجھے بے فائدہ کا پہنچیگا اُلٹا ضرر مجھے
لے لیگا مول کوئی قصائی اگر مجھے جیتا نہ چھوڑے گا کبھی بیداد گر مجھے
لے جائیگا وہ مجکو کمیلے میں گھیر کر تڑپائے گا گلے پہ چھری پھیر پھیر کر

تجھ سے بصد نیاز ہے یہ التجا مری دل سے بُھلا نہ اپنے گزشتہ وفا مری
گردن بلا میں تو نہ پھنسا بے خطا مری مَیں جاں بلب رسیدہ ہوں تو لے دعا مری

قصاب کی چھری سے جو مجکو بچائیگا
پوتوں پھلیگا اور تو وودوں نہائیگا

برق دہلوی

رباعیات

(سنسکرت اشلوکوں کا ترجمہ)

جناب لالہ سورج نراین صاحب مہر دہلوی سے کون ہے جو واقف نہیں آپ تصوف میں اعلیٰ درجے کی لیاقت رکھتے ہیں آپکی تصنیف سے ایک دیوان موسوم کلام مہر موجود ہے۔ آپ کا نظم کلام تمام اسی رنگ میں رنگا ہوا ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم انکی تازہ تصنیفات سے چند قابل قدر رباعیاں ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے پیش کرتے ہیں

کام آئے گی خیرات جو کر جائے گا
خیرات سے گھٹ نیر انہ در جائیگا
پیاسا پانی جو پی لے دریا سے مہر
پانی دریا کا کیا اتر جائے گا؟

ایضاً

تحصیل کیا تو ہے تحفظ کا خیال
محفوظ رہا تو صرف کا ہے جنجال
آنے میں بھی رنج اور جانے میں بھی رنج
لعنت تجھ پر ہزار لعنت اے مال

ایضاً

کیوں خوفِ اجل سے دل ہے تیرا بیکل
کیا خوف زدوں کو بخشدیتی ہے اجل
مرنا برحق ہے مہر مرنا برحق
گر آج نہ بچے تو دوسرا دن ہے کل

ایضاً

جس شخص نے موت کو فنا مانا ہے
اے مہر وہ شخص محض دیوانہ ہے
دروازۂ زندگی ہے مرگ اے غافل
اس در سے تجھے اور کہیں جانا ہے

ایضاً

جس طرح کہ مہر چھوڑکر رخت کہن
کرلیتے ہیں ہم جامۂ نوزیب بدن
کرتی ہے حلول اور جسموں میں روح
ہوجاتا ہے کہنہ جب یہ جامۂ تن

ایضاً

کیا فکر بیش وکم سے بیجا پائے گا
جو مہر مقدر میں ہے مل جائیگا
لوٹا لے جا کنوئیں پہ یا دریا پر
پانی تو بقدر ظرف ہی آئے گا

ایضاً

سعی وتقدیر تو ہے اپنی اپنی
لیکن ملتا ہے جو مقدر ہے وہی
اے مہر سمندر میں لگا کر غوطہ
کوڑی لاتا ہے کوئی موتی کوئی

(باقی آیندہ)

سورج نراین مہر دہلوی

اُصولِ شاعری

وجدانِ صحیح سے یہ بات ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ علوم و فنون اور ہر وہ چیز جس کا تعلق دل و دماغ اور خیال سے ہے اگر صحیح پیمانہ پر استعمال کیئے جائیں اور اُنکے وجوہ تعلق - ترکیب - انضباط - اور ترتیب و تفہیم وغیرہ میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے - تو اُنکے اثرات کا وجود منفعل طبعی قوت سے بھی کہیں بڑھا ہوا رہتا ہے اور اگر اُنکے استعمالات میں صحت و سقم کا لحاظ نہیں ہے - اور رطب و یابس اشیاء کے وجود سے بھی وہ معرّا نہیں ہے تو اُن کا تاثر بھی کسی خاص پہلو سے متعلق نہیں ہوگا - بلکہ حسب استعداد فاعل و انفعال اُس کے اثر کا وجود ظاہر ہوگا - +

پس تکمیل علوم و فنون اور اُنکے اثرات کو تام بنانے کے لیئے ضرورت ہے اُن کے صحیح و درست استعمال کی اور عمدہ ترتیب و تعلق کی تاکہ وہ اُنکی وجہ سے سقم کی حدود سے نکل کر صحیح کہلائیں اور اُن کا اثر بھی کامل طور پر ظاہر ہوجاوے - +

اُوپر کے مختصر الفاظ علاوہ دیگر علوم و فنون کے خصوصیت سے اُصولِ شاعری پر نظر ڈالتے ہیں - شاعری اپنی اُن خصوصیات کے لحاظ سے جو اُس میں خمیر یا طبیعت کی طرح داخل و حلول کیئے ہوئے ہیں - جسقدر مشکل اور دشوار تر فن ہے - اُس سے وہ کامل الفن اور کہنہ مشق اصحاب اچھی طرح واقف ہیں - جنھوں نے برسوں استادوں کی خدمت میں رہ کر اور اپنی محنت کو انتہا مدارج پر پہنچا کر کچھ حاصل کیا ہے - لیکن موجودہ وقت شاعری کا عنصر جن خصوصیات پر مبنی ہے اُن سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ فن حقیقت میں اتنا مشکل نہیں ہے جسقدر کہ لوگ اسکو سمجھ رہے ہیں - چنانچہ ہمارے ایک مقامی حصہ کا خیال ہے کہ شاعری کے لیئے علوم و فنون کی تحصیل لازمی نہیں ہے بلکہ کافی مشق بہم پہنچانے کی ضرورت ہے - اور اگر طبیعت اچھی ہے تو زیادہ مشق کی بھی ضرورت نہیں ہے - یہ خیال جس حد تک صحیح ہے اُس کا اندازہ صرف کملاءِ فن کر سکتے ہیں - +

موجودة الوقت کے حشرات الارض شاعر۔

ہمارے نزدیک شاعری جن مخصوص ارکان اور اصول کو اپنا جزو جسم بنائے ہوئے ہے اُن کا اکثر حصہ وہ ضروری علوم ہیں جن سے انسان شرف و بزرگی اور علم کا پتلہ بن سکتا ہے اور جن کے مبادی گویا اصولِ علوم ہیں۔

فن شعر کے علاوہ جسقدر اور علوم و فنون ہیں اُنکے لیئے واضعان فن نے کثیر الوجود قوانین کو ضبط کر دیا ہے۔ جن کے حصول سے انسان کامل الفن بن سکتا ہے۔ لیکن فن شعر علاوہ اس خاص امر کے صحت ذوق اور طبع سلیم کی ضرورت سے بھی مملو نظر آتا ہے۔ جو شخص ذوقِ سلیم اور طبع وقاد نہیں رکھتا وہ فن شعر میں ہرگز کامل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ استادِ مرحوم و مغفور فرماتے ہیں ؎

سچ ہے یہ بات کہ ہوتی ہے طبیعت استاد دین اللہ کی ہے جسکو یہ نعمت ہو عطا

فن شعر کی عظمت دیکھتے ہوئے یہ خیال بالکل غیر و تیج ہو جاتا ہے کہ شعر گوئی کے لیئے حصول علوم کی کوئی ضرورت نہیں۔ شعر گوئی میں جسقدر باتیں پیش نظر رہنی چاہئیں۔ وہ اسکی وقعت کا لحاظ رکھتے ہوئے علوم کے وہ خاص حصص ہیں۔ جن پر کما حقہٗ واقفیت کا حذاق باقاعدہ حصول سے قبل نازیبا اور بیجا ہے۔ شاعری اور اسکے حسن و قبح پر واقف ہونے کے لیئے ان خاص اصول کی ضرورت ہے جو ذیل میں مختصراً تفصیل وار درج کیئے جاتے ہیں۔ اور جن کے جاننے سمجھنے اور کامل طور پر جانچنے کے لیئے ضرورت ہے ذوق سلیم کی جس طرح شاعر اور سخن پرست شعر کی عظمت و تاثر سے واقف ہیں اسی طرح فن گو اسکے اصول سے محبت رکھنی چاہیئے۔ اس لیئے کہ بغیر اصول کے کوئی چیز وقیع نہیں ٹھیر سکتی اور جس چیز کے اصول نہ ہوں اسکی ترقی ناممکن ہے ؁

فن شعر کی عظمت سے متعلق شعرا و کملا کے مختلف خیال ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ درد و حسرت وہ آنسوں کا کلام جو خاص طور پر متاثر دل سے نکلتا ہے اثر میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ مشتاق دل ایسے شخص کے کلام کو چاہت سے لے لے کر پڑھتے ہیں اور ذوق اُٹھاتے ہیں۔ پس جس شخص کا دل چوٹ کھایا ہوا نہ ہو یا عشق و

محبت سے اُسکے دل و دماغ خالی پڑے ہوں اُس کا کلام بے لطف ہوگا۔ لوگوں کو اُسکے پڑھنے میں مزا نہیں آسکتا"۔

بعض کا خیال ہے کہ شعر میں اثر پیدا ہوجانے کے لیے ضرورت ہے کہ ایسے واقعات کا ذکر ہو جن کا وقوع ممکن ہو اور جس میں ضرورت سے زیادہ مبالغہ اور ناممکن الوقوع واقعات و حالات سے احتراز ہو۔ اگر شعر ان امور سے معرا ہے تو اثر اس سے کوسوں دور ہے

بعض اس طرف راجع ہیں کہ شعر کا تاثر وسعتِ خیال اور دنیا کے اہم تعلقات منقطع ہوجانے پر موقوف ہے جس شخص کی خیالی قوت اعلیٰ درجے پر پہنچی ہوئی ہو اور ساتھ ہی دنیا کے تعلقات سے وہ غیر متعلق ہو اُسکے اشعار پُر تاثیر ہونگے جیسے اثر میں ڈوبے ہوئے ہونگے۔ پڑھنے والے جھوم جھوم جائیں گے اُن سے دل بیتاب ہو جائیں گے

مذکورۂ بالا اقوال کی صحت و عدم صحت سے ہمیں بحث نہیں۔ ناظرین کا ذوقِ سلیم اور طبع رسا خود فیصلہ کرے گی البتہ اتنا کہنا ضروری ہے کہ شعر کی تاثیر کی بنیاد صرف ایک ہی خیال پر قائم کرنا صحیح و مستفاد ہو جاتا اور سچ ہے کمالِ فن کا حصہ ... کچھ بعید ہے۔ جیسے واقعات یا ناممکن الوقوع امور پر اثر کا انحصار ... یعنی نظامی کا شعر ہے۔

در شعر مپیچ و در فن او　　چون اکذب اوست احسن او

غرض یہ کہ مذکورۂ بالا اقوال کچھ زیادہ قابلِ وقعت نہیں اور ان سب کے لیے ایک ایسی خاص چیز کی ضرورت ہو جسکی وجہ سے یہ تمام اقوال بھی صحیح ہو جائیں اور اگر بھی وہ ایک قابلِ قدر اور شاعری کے لیے جزو لاینفک قرار پائے۔

اب ذیل میں ہم اُن اصول کا ذکر کرتے ہیں جو شاعر کو بحیثیت شاعر ہونے یا شعر کہنے کے نہایت ضروری ہیں اور جن کا لحاظ کیے بغیر شعر کا حسن و قبح معلوم ہونا دشوار ہے۔ اُمید ہے کہ نومشق اصحاب سے لیکر کملائے فن تک ان اصولِ ضروری کا لحاظ فرماکر شعر کہا کریں تاکہ شاعری کا وہ حصہ جسکی وجہ سے وہ بہت کمزور اور اس کا اثر بہت کم ہو گیا ہے۔ اصلاح پذیر ہو جائے۔

(۱) بندش کی چستی۔ شعر میں جب تک لفظوں کی بندش چست نہ ہو شعر میں مزا نہیں آتا ترکیب کی چستی شعر میں لطف پیدا کر دیتی ہے۔ ترکیب کی سستی شعر کے حسن کو مٹا دیتی ہے شعر اچھا ہو معنی خیز ہو لطیف استعارات و کنایات سے بھی مملو ہو لیکن بندش سست ہو ہرگز پورے لطف کا شعر نہیں ہے۔ شاعر کی طبع وقاد کے لیئے بندش کی سستی نہایت بُرا عیب ہے حرف گرنا دبنا یا اپنی اصلی آواز سے متغیر ہو جانا بندش کو سست کر دیتا ہے اور علم فصاحت میں یہ بہت بڑا عیب ہے ؛

حروف علت اگرچہ علم عروض میں ارکان بحور سے خارج ہیں اور اوزان میں اُن کا لحاظ و شمار اکثر لوگوں کے نزدیک ناجائز اور غیر ضروری ہے لیکن اُن کا گرنا دبنا یا اصل مخرج سے غیر طریقہ پر ادا کیا جانا بھی عیوب میں سے ہے۔ حروف علت اگرچہ فارسی و عربی الفاظ کی ترکیب میں بلکہ استعمال ہوں مگر ایسی صورت میں بھی اُن کا گرنا دبنا ہر طرح سے ناجائز ہے

وہ فصاحت سے گرا شعر میں جو حرف دبا چست بندش ہو نہ ہو سست یہی خوبی ہے

(۲) تعقید و گنجلک۔ شعر کی ترکیب کے الفاظ کچھ ایسے بے ربط ہوں جن سے شعر کا سمجھنا دشوار ہو جائے یا الفاظ کی تقدیم و تاخیر سے شعر کی ترکیب و ترتیب میں فرق پڑ جائے اسی کو "تعقید و گنجلک" کہتے ہیں۔ تعقید کی صورتیں مختلف ہیں۔ جس تعقید میں شعر کے پڑھنے والے کو پریشانی اُٹھانی پڑے اور شعر آسانی سے سمجھ میں نہ آئے وہ بہت بُری تعقید ہے۔ مثلاً مصرعہ اولی و ثانی میں کسی خاص چیز کا ذکر مقصود ہو لیکن وہ ایسے متفرق الفاظ میں بیان کیا جائے کہ جسکے حروف دونوں مصرعوں میں تتر بتر ہوں اور مشکل سے سمجھ میں آئیں اور صاف طور پر اُس چیز کا اظہار نہ ہو اس قسم کی تعقید ناجائز ہے۔ البتہ وہ تعقید جس میں کوئی لطیف اشارہ مضمر ہو باعث خوبی ہے اور بحیثیت صنائع لفظی و معنوی جیسی اسکی صورت ہو احسن تعقید ہے ؛ ؎

ہو جو بندش میں مناسب تو نہیں عیب ذرا گرچہ تعقید بُری ہے مگر اچھی ہے کہیں

(ابراہیم

گنجلک کنایہ کا وہ حصہ ہے جس میں اعلیٰ قسم کا کنایہ ہو جو دشواری سے سمجھ میں آوے۔ صراحت

الف وصل اگر تقطیع و بحر میں گر جائے تو اُساتذہ حال کے نزدیک ناجائز نہیں ہے کیونکہ الف وصل حروف اصلی میں شمار نہیں کیا گیا ہے
رفیق

گنجلک کی ضد ہے۔ وہ کنایہ جس کا سمجھنا آسان پہلو پر ہو گنجلک سے بدرجہا اچھا ہے ؎

گنجلک اول تو خود شاعر کو ناگوار معلوم ہوتی ہے دوسرے پڑھنے والے کو بھی بہت بڑی تشویش میں ڈال دیتی ہے اور پھر اس تشویش میں شاعر کا اصل مفہوم ہاتھ سے جاتا رہتا ہے اور شعر کا مطلب خبط ہو جاتا ہے۔

غرض گنجلک شعر کی خوبیوں کو مٹا دیتی ہے اور شاعر کو اس مفہوم و معنی خیز مضمون کو جو اسنے بہت سی کاوشوں سے پیدا کیا ہے مٹی میں ملجاتا ہے اس لیئے ضروری ہے کہ شاعر لوگ شعر میں گنجلک سے بچنے کی کوشش کیا کریں اور شعر کے مطلب کو فی ذہن الشاعر کے مفہوم سے بچائیں۔ ؎

جس میں گنجلک نہو تھوڑی بھی صراحت ہوئی　　وہ کنایہ ہے جو تصریح سے بھی ہو اولیٰ

(۳) **متروکات کا لحاظ**۔ زبان ہر قرن اور ہر زمانے میں جداگانہ پہلو اختیار کرتی رہتی ہے پس جو الفاظ گزشتہ زمانے میں استعمال کیئے جاتے تھے اور اب زمانہ حال میں انکی جگہ دوسرے اچھے الفاظ استعمال کیئے جانے لگے ہیں تو شعراء حال کو موجود الوقت الفاظ ہی استعمال کرنے چاہئیں۔ متروک الفاظ استعمال کرنا شاعری کے خلاف ہی چھوڑے ہوئے الفاظ پچھلے لوگوں کی زبانوں پر زیادہ مزے دیتے تھے۔ شعراء و فصحاء حال کے نزدیک یہ الفاظ اس وقت فصاحت میں داخل نہیں ہیں۔ ؎

ترک جو لفظ کیا اب وہ نہیں مستعمل　　اگلے لوگوں کی زباں پر وہی دیتا تھا مزا

متروکات سے واقفیت حاصل کرنے کے لیئے اہل دہلی و لکھنو کے رسائل دیکھنے چاہئیں

(۴) **ایطاء**۔ ایطاء چند قسم پر ہے۔ بعض اقسام عیوب میں داخل ہیں اور بعض صنعت ہیں۔ ایطاء اسکو کہتے ہیں کہ ایک شعر یا مطلع میں ایک ہی قافیہ ایک ہی معنی میں مکرر استعمال ہو اور اسکی مختلف صورتیں ہیں جن میں سے دو کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) قافیہ کا پورا لفظ دونوں مصرعوں میں ہم معنی ہو تو اسکو ایطاء جلی کہتے ہیں اور یہ بالکل ناجائز ہے۔

(۲) ایک ہی لفظ قافیہ اور ردی دونوں میں مشترک ہو یعنی ایک جز قافیہ میں شمار ہو

اور دوسرا جزو ردیف میں جیسے اس شعر میں۔

داغِ الفت خزینہ ہو جائے تو میسر دفینہ ہو جائے

یہاں ری حرفِ روی ہے قافیہ میں خزی قافیہ ہے اور نہ ہو جائے ردیف۔ خزینہ اور دفینہ کا اول حصہ قافیہ ہے اور دوسرا جزو ردیف میں شامل ہے۔ اس قسم کا ایطاء اساتذہ کے نزدیک غزل میں ایک دفعہ اور قصیدے میں تین مرتبہ جائز ہے اس سے زیادہ جائز نہیں ہے۔ ایطاء جلی جسکے معنے اوپر بیان ہوئے ہیں۔ اور جسکی دوسری تعریف یہ ہے کہ اگر قافیہ سے حرفِ روی اصلی کو دور کر دیا جائے تو شعر کے دونوں قوافی کے باقی الفاظ بامعنی رہیں۔ اسکے علاوہ ایطاء کی بہت سی اقسام ہیں لیکن کملائے فن کے نزدیک سب میں بری ایطاء جلی ہے اس سے شعراء کو بچنا چاہیے۔ ع

گر کسی شعر میں ایطائے جلی آتا ہے وہ بڑا عیب ہے کہتے ہیں اُسے بے معنی

(۵) **قوافی کی پابندی**۔ قافیہ کی بحث ایک مشکل بحث ہے۔ قافیہ میں حرفِ روی کا خیال رکھنا ضروری ہے قوافی کی صحت اول تو ذوقِ سلیم پر مبنی ہے دوسرے باقاعدہ حرکات و سکنات کا لحاظ رکھنے پر موقوف۔ اکثر شعرا قافیہ کی بحث سے ناآشنا ہیں۔ اور یہ ایک نہایت کارآمد و ضروری چیز ہے کیونکہ صحت شعر کی بنا قافیہ پر ہے اگر قافیہ صحیح نہیں ہے شعر کی صحت غیر معتبر ہے۔ چونکہ یہ بحث دراز طوالت پسند ہے اس لیے ہم کسی دوسرے وقت اُسکو تفصیل کے ساتھ لکھیں گے۔

(۶) حشو و زوائد۔ حشو و زوائد سے شعر کا پاک ہونا شاعر کی کہنہ مشقی پر دلالت کرتا ہے حشو و زوائد الفاظ سے شعر کا وہ حسن جاتا رہتا ہے جو خاص و چیدہ الفاظ کی ترکیب سے پیدا ہو جانا چاہیے تھا۔ جو شخص طبع سلیم اور ذوق صحیح لیکر پیدا ہوا ہے حشو و زوائد سے اُسے طبعاً نفرت ہو جاتی ہے۔

عام طور پر حشو و زوائد کا صدور آورد میں ہوتا ہے جن لوگوں کی طبیعت میں آمد ہے اُنکے اشعار حشو و زوائد سے اکثر پاک ہوتے ہیں۔ اس قسم کا حشو جو معنی میں کچھ لطف نہ پیدا کرتا ہو اردو میں بھرتی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ شعر میں بھرتی کے الفاظ سے شعراء کو

احتراز واجب ہو سے

شعر میں حشو و زواید بھی بُرے ہوتے ہیں ایسی بھرتی کو سمجھتے نہیں شاعر اچھا

(۷) تکثیر اضافت و عطف۔ ایک مصرعہ میں متواتر اضافت یا عطف کی تعداد تین سے متجاوز ہو جائے نا جائز ہے۔ اضافت و عطف بُری چیز نہیں اور جائز طریقہ پر ان کا استعمال ہونے سے شعر کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔ لیکن متوالی طریقہ پر استعمال کیے جانے سے لطف ہی جاتا رہتا ہے۔ شعرا کو اس سے بھی احتراز لازم ہے *

(۸) شتر گربہ۔ غزل کے اشعار میں یا قصائد و رباعی و مخمس میں چند متوالی اشعار کے ضمن میں متکلم و مخاطب اور غائب کے صیغوں کا مختلف ہونا شتر گربہ ہے مثلاً ایک مصرعہ میں یا قصیدے کے دو یا تین متوالی مصرعوں میں ایک جگہ تم ہو اور دوسری جگہ تو یا اول میں آپ اور دوسرے میں خود ہو اس قسم کے الفاظ کے استعمالات کو شتر گربہ کہتے ہیں اور یہ نا جائز ہے۔ زمانۂ حال کے اساتذہ نے اسکو خلاف اصولِ شاعری قرار دیا ہے۔ مگر اب سے دُور اس قسم کے استعمالات عیوب میں داخل نہ تھے۔ مگر ترقی زبان اُردو کے ساتھ کمالا رفن کے نزدیک ایسے استعمالات بھی قابلِ ترک شمار کیے گئے ہیں استاد مرحوم و مغفور فرماتے ہیں۔ سے

ایک مصرعہ میں ہو تم دوسرے مصرعہ میں تو یہ شتر گربہ ہوا میں نے اسے ترک کیا

(۹) واقفیت علم عروض۔ اُردو میں عروض کی چند بحریں مشہور و متعارف ہیں ان کا سیکھنا بھی شعر گوئی کے لیئے ضروری ہے۔ بعض لوگوں نے عروض کے ارکان افاعیل وغیرہ سے علاوہ دوسری قسم کے ارکان تجویز کیئے ہیں۔ لیکن وہ ایسے ناتمام ہیں کہ تمام بحوروں میں پورے طور پر آجانا ناممکن تھا۔ تمنا مرحوم نے بھی ایک دفعہ یہ کوشش کی تھی لیکن عربی کے مقابلہ میں اس قسم کی تمام کوششیں ناکامیاب رہیں۔

اُردو میں عروض سے متعلق جو بحور رائج ہیں اُنکو ہم کسی دوسرے موقع پر علم عروض کی سُرخی سے تحریر کرینگے۔ حسن و قبح کی جانچ تو اس فن میں نہایت مشکل امر ہے لیکن مذکورۂ بالا اصول کا لحاظ رکھنا شاعر پر ضروری ہے۔ ممکن ہے کہ ان اصول کے علاوہ اور بھی

اصول ہوں جو اس وقت میرے ذہن میں موجود نہیں ہیں۔ لیکن جہاں تک میرا خیال ہے اس قسم کے اصول کا مآل و ماحصل صرف مذکورہ اصول ہی پر منتہی ہوتا ہے اس لحاظ سے شاعر کو انکی حفاظت نہایت ضروری ہے۔

شاعری ایک ایسا وسیع میدان ہے جس میں دنیا کی بہترین سے بہترین اشیا اور خراب سے خراب چیزیں دونوں قسم کا مواد جمع ہے۔ جو شخص اس میدان میں گزرتا ہے وہاں سے چیزیں نکالنے اور حاصل کرنے پر اسکی استعداد اور قابلیت کا اندازہ دیکھا جاتا ہے۔ اگر اچھی طبیعت پائی ہے اور اصول اور نکات راہ سے واقف ہے تو گوہر آبدار ہی تلاش کرے گا ورنہ حسب استعداد جیسا کچھ اسکو ملیگا پیدا کرے گا۔ اسے اچھے برے کا امتیاز مشکل سے ہوگا۔ اول الذکر صورت کا حصول اساتذہ کی خدمت اور کمال فن سے سبقاً سبقاً حاصل کرنے پر موقوف ہے۔ غرض کہ یہ فن نہایت مشکل ہے۔ بغیر طبیعت خداداد یا اساتذہ کے فیض صحبت سے حاصل کئے بغیر اسکی تکمیل دشوار تر ہے۔ امید ہے کہ شعراء تکمیل فن سے قبل ادعائے محض کے مطیع و منقاد ہونگے +

آغا رفیق۔ بلند شہری

ناول نویسی

یورپ میں مختلف علوم و فنون کے علاوہ ناول نویسی بھی ایک نہایت مفید اور لطیف فن شمار کیا جاتا ہے۔ ناول اپنے لکھنے والے کی دماغی قابلیت کا ایک بیش قیمت نمونہ ہوتا ہے اور اگر سچ پوچھئے تو مغربی تہذیب کی ترقی کا راز بہت کچھ ناولوں ہی کے پردے میں چھپا ہوا پایا جاتا ہے ناول نویسی کے ذریعے سے یورپ کی اصلاح کرنے والوں نے اسقدر نمایاں کام انجام دیئے ہیں اور یورپ کے رہنے والوں کی اخلاقی۔ تمدنی۔ اور معاشرتی حالت میں اسقدر جلد انقلابات عظیم پیدا کر دیئے ہیں جو کسی اور طرح ممکن نہ تھے۔ یہ انکے ہی قلم جادو رقم کے اعجاز کا اثر تھا کہ اس وقت ہم یورپ بھر کو ترقی کے پہاڑوں کی چوٹی پر دیکھ رہے ہیں۔ اگر ناول نویسی کو مغربی تہذیب اور تمدن کی روح رواں کہا جائے تو نہایت ہی موزوں ہوگا۔ یہ بات ہر طرح ماننے

کے قابل ہے کہ انسانی خیالات کی رَو کو باتوں ہی باتوں میں پلٹ دیتا ہے۔ ایک سیدھے راستہ پر لے آنیکے لیئے مثال و نظیر سے زیادہ اور کوئی شے مؤثر نہیں ہو سکتی صحیح مثالیں جسقدر دلچسپ اور دلنشین پیرایہ میں عوام کے سامنے پیش کیجائیں گی۔ اتنی ہی زیادہ مفید ہونگی اور اگر اس کے معانی کو وسعت دیں تو یہی ناول نویسی کا اصل اصول ٹھہرتا ہے۔

ناول نویسی ہندوستان میں۔ یہ ہماری بدقسمتی کی ایک روشن دلیل ہے کہ جو چیز یورپ والوں کے لیئے آب حیات کا کام دیتی ہے ہمارے لیئے زہر سے زیادہ نقصان پہنچانے والی بن گئی ہے۔ یہاں کے ناول نویسوں نے یورپ کی تقلید تو کی ہے لیکن افسوس اپنے دماغ کو اُس سانچے میں نہ ڈھال سکے جس میں انکے اُستاد یورپ والوں کا دماغ ڈھلا ہوا تھا دراصل اگر سچ پوچھیئے تو ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ یہاں وہ ایک دماغی جنون بن گیا ہے جسنے صرف علمِ ادب کی ہی پیشانی پر کلنک کا ٹیکا نہیں لگایا۔ بلکہ یہاں کے بچّوں اور نوجوانوں سے گزر کر بڈھوں تک کے دماغ میں اپنا گندہ اثر بھر دیا۔ مخرب اخلاق تحریر اس سے زیادہ اور کیا ہوگی۔ بوستانِ خیال۔ فسانۂ عجائب۔ سرورِ سخن وغیرہ نثر میں۔ مثنوی میر حسن گلزار نسیم۔ وغیرہ نظم میں پہلے مذاق کی کتابیں یہاں پیشتر ہی سے موجود تھیں۔ اسپر ناول نویسوں نے اپنی تحریر سے اور اضافہ کر دیا۔ موجودہ ناول جو ملک میں کثرت سے پھیلے ہوئے ہیں۔ اُن میں فیصدی شاید ایک بھی نہ نکلے گا جس کو مغربی ناول نویسوں کے اصول کے مقابل پیش کیا جائے۔

یہاں تو حسن و عشق کی پرجوش داستانیں دل و دماغ پر اسقدر قبضہ کیئے بیٹھی ہیں کہ خواب تک میں بھی یہاں کے مصنفین کو انکی جلوہ آرائی نظر آتی ہے۔ اس برباد کرنے والی خرابی سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں اُنکے بھگتنے کے لیئے عمر خضر درکار ہے۔ ملک میں ایسے نوجوانوں کی کمی نہیں جو محض ایسی ناپاک تحریروں کی بدولت اپنی قابلِ قدر اور بیش بہا زندگی کو عشق و نفس پرستی کے گہرے گڑھے میں دفن کر چکے ہیں۔ جو ملک و قوم کے لیئے اکسیر بننے کو تھے وہ خود زہر بن رہے ہیں۔ اسکی وجہ یہی ہے کہ ہمارے بہت ناول نگار دماغی قابلیت نہ رکھکر بھی ناول نویسوں کی فہرست میں اپنا نام زبردستی لکھوا لینے کو موجود ہو جاتے ہیں

گویا ع لہو لگا کے شہیدوں میں نام کرتے ہیں۔ فن ناول نویسی کے اصول سے تو واقف نہیں اور لکھنا چاہیں ناول۔ کیونکہ ممکن ہوسکتا ہی اُنکے نزدیک ناول گویا ایک مجموعہ خرافات ہے۔ کہیں ایک راجہ کی لڑکی پر ایک مسلمان سپہ سالار کا بیٹا فریفتہ ہوا ہی اور اُسکو مسلمان بنا کر اپنے ملک کو لیگیا۔ کہیں ایک بازاری طوائف کے عشق میں ایک شخص نے گھر بھر کو قتل کر ڈالا اور آپ پھانسی پائی۔ کہیں ایک عاشق اپنے رقیب کو قتل کرتا ہی اور بعض حالتوں میں اپنی چاہیتی معشوقہ کو بھی خاک میں ملا دیتا ہے اور انجام کار پھلکے کی سیڑھیوں پر پکڑا جاتا ہی دراصل یہ بے نتیجہ اور بے اصل باتوں کی بھونڈی رنگ آمیزیاں دکھانا۔ نوجوانان ملک کے اخلاق پر زہر کے بجھے ہوئے تیر برساتا ہی۔ جن اصحاب کی ناول نویسی کا رنگ ارباب نشاط کی گالیوں اور ناز و ادا پر منحصر ہو وہ قوم اور ملک کی کیا خاک اصلاح کرینگے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے پاکیزہ خیال اصحاب اِس گندے علم ادب (لٹریچر) کو نہایت ہی نفرت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور کسی طرح نہیں چاہتے کہ یہ مخرب اخلاق ذخیرہ اشاعت پائے۔ پچھلے فسانوں کا رنگ جو ایشیائی ناظم و ناثروں کے خمیر میں داخل ہو چکا ہی اب ضرورۃ ہی کہ اس بوسیدہ و ناپاک خرقہ کو پھاڑ کر پھینکدیا جائے یا جلا دینا سب سے زیادہ مناسب ہے۔

وہ کتاب کیا کوئی عمدہ سبق سکھا سکتی ہی جو خود عشقبازی و حسن پرستی کی تصویر بنی ہوئی ہے قومی وملکی ترقی کے لیئے ناول نویسی کی سخت ضرورت محسوس ہوتی ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ملک کو کس قسم کے ناولوں کی ضرورت ہی اور ہمارے مصنّفین کہانتک اپنی دماغی قابلیت سے اِس ضرورت کو پورا کرسکتے ہیں۔ دراصل ناول نویس اپنے خیال میں آزادی کے ملک میں رہتا ہی آزادی کی ہوا میں اسکا خیال نشوونما پاتا ہے اُسکو اختیار ہے کہ اپنے ناول کو کسی ملک کسی شہر کسی خاندان سے شروع کرے اور جس قسم کے منظر چاہے دکھائے وہ اِس زمین کا گویا خود مختار بادشاہ ہے جس طرح چاہے اُسپر حکومت کرے۔ خواہ عدل و انصاف کی تصویریں دکھائے۔ خواہ بہادری کے پھولوں سے اپنے چمنستان کو مہکائے۔ خواہ ظلم و ستم کے بھیانک نظاروں سے ناظرین کے دل دہلائے۔ وہ سب کچھ اپنے قبضہ میں رکھتا ہی جس طرز جس طریق جس وضع کو پسند کرے اختیار کرسکتا ہی۔ ناول نویس کا پہلا اصول یہ ہونا چاہیئے کہ اُسکے ناول سے کسی خاص

گروہ یا فرقے کی دل آزاری نہ ہو اُس کا پلاٹ حقیقت سے دُور اور ناممکنات سے بھرا ہوا نہ ہونا چاہیے اصلیت اور حقیقت کسی طرح ہاتھ سے نہ جائے۔ جو نتائج ضروری ہیں وہ اُسکی عبارت سے صاف صاف پیدا ہوتے ہوں اور ایسی تصاویر بنائی جائیں جو صورتِ حال سے اندرونی جذبات کا پورا عکس دکھاتی ہوں واقعات مسلسل ہوں بے جوڑ اور بے ربط نہ پائے جائیں۔ ناول کا ہر سین کم از کم ایک نتیجہ ضرور رکھتا ہو۔ اگر یہ نہیں تو ناول قالب بے جان ہے الفاظ ایسے پاک اور ستھرے ہوں عبارت ایسی سادہ ہو کہ کم علم والا بھی اُسکو سمجھ سکے اور اُسکے دکھائے ہوئے نتیجے سے متاثر ہو جائے۔ حسن و عشق کے فرسودہ کی گھاتیں معشوق و عاشق کی میٹھی میٹھی باتیں لکھنے کی بجائے علمی۔ اخلاقی۔ فلسفی خیالات کا اظہار آسان ترکیبوں کے ساتھ کیا جائے۔ سچ بولنا۔ وعدہ کو ایفا کرنا۔ کسی کو بے سبب نہ ستانا غصہ کے برے نتائج حلم کی خوبیاں۔ غرضکہ صدہا ایسی باتیں ہیں جن کا ذکر ناول میں لطف سے خالی نہیں ہو سکتا ناول نویس ایک ایسا ناصح مشفق ہونا چاہیئے جو ساری باتوں میں موثر نظاروں کے ذریعے سے اپنے ناول کے ناظرین کو مجسم نیک بنا دے ✤

کیونکہ وہ بچے جو اردو آسانی سے پڑھ سکتے ہیں اُنکو ناولوں کے دیکھنے میں بہت جی لگتا ہے اور اگر ناول مخرب اخلاق باتوں کا مجموعہ ہیں تو گویا دیکھنے والے کے نشو و نما میں زہر سرایت کر رہا ہے۔ اِس لیئے ناول نویسوں سے التجا ہے کہ وہ اپنے بیش قیمت وقت کو قابل قدر تصانیف میں صرف کریں اور اس فضولیات سے قطعی پرہیز فرمائیں جو آجکل طوفان بے تمیزی کی صورت میں نمودار ہو رہی ہے۔

شیدا۔ دہلوی۔

انجمن ہمدرد سخن مراد آباد

حال میں یہ ایک جدید انجمن شہر مراد آباد میں زبان اُردو کی توسیع اور اُسکی نشو و نما کے لیئے مقرر ہوئی ہے اسکی بنیاد قاضی عبد العلی صاحب عابد تلمیذ حضرت فصیح الملک اڈیٹر اخبار مخبر عالم مراد آباد نے ڈالی ہے۔ اسکی روئداد و دستور العمل قاضی صاحب موصوف کے حوصلہ خیال

کی وسعت اور جوش ہمدردی زبان اُردو کا پورا پتہ دے رہی ہے ظاہر ہے کہ زبان اُردو کی کشتی منجدھار میں ہے اُسکو تھوڑا بہت سہارا دینا اور اُسکے پار لگانے کی کوشش کرنا بڑے ہمدرد اور ہمت والوں کا کام ہے۔ اِس انجمن کے مقاصد و اغراض نہایت تسلی بخش اور اُمید دلانے والے ہیں اور جو شرائط و ضوابط مقرر ہوئے ہیں اُن سے قوی اُمید ہے کہ یہ انجمن اپنے دلی الادے میں اعلیٰ درجے کی کامیابی حاصل کرے گی۔

اِس انجمن کے پریزیڈنٹ شاعر یکتا مولوی سید فرید احمد صاحب فاؔ مرادآبادی جو نہایت قابل سخنور ہیں مقرر ہوئے ہیں۔ اور قاضی صاحب موصوف اِس جلسہ کے سکرٹری قرار پائے ہیں۔ اِس انجمن کا اصلی مقصد زبانِ اُردو کی توسیع ہے اور اُن تمام انجمنوں کی جو ہندوستان میں اِس بنا پر قائم ہیں یا آیندہ ہوں معین و موید ہو گی۔ تحفظ و صحت زبان میں کوشاں رہیگی۔ تخیل بہ اُصولِ قدیم کی پابند رہے گی۔ زبانِ دہلی و لکھنو دونوں کی یکساں ترقی و توسیع کی کوشش کرے گی۔

مسئلہ زبان کو باتفاق آرا مشاہیر شعراء و اہل زبان کے طے و حل کریگی۔ اِس انجمن نے ایک ماہوار مشاعرہ کا بھی اعلان دیا ہے۔ جس کا گلدستہ طبع ہو کر ملک کے سامنے پیش کیا جائے گا وغیرہ وغیرہ

اِن تمام قواعد پر نظر ڈالنے سے یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ قاضی عبد العلی صاحب حاؔبد زبانِ اُردو کے بہت بڑی حمایت اور معاونت پر کمر بستہ ہیں جسکی بابت ہم اُنکا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اور اِس انجمن کے مضمون خیر مقدم کو اُسکی ترقی عمر و کامیابی مقاصد کی دعا پر ختم کرتے ہیں آیندہ جو حالات اِس انجمن کے وقوع میں آئیں گے وقتاً فوقتاً حوالۂ قلم ہو نگے۔ فقط

راقم کمترین رسا۔ شاعر دربار ریاست رامپور
شاگرد فصیح الملک دہلوی

نوٹ۔ اِس انجمن کا ممبر ماہوار فیس داخل کرنے پر ہر شخص ممبر ہو سکتا ہے۔ دیگر دریافت طلب امور بذریعۂ خط و کتابت سکرٹری صاحب سے طے ہو سکتے ہیں ٭

عالیجناب کنور بدری کرشن صاحب فروغ وکیل کے برادر زادے کنور راج بہادر کرشن

خلف الصدق عالیجناب کنور گرور کرشن صاحب ذنریری مجسٹریٹ و رئیس سکندرآباد کی تقریب شادی میں جو اکثر احباب نے جوشِ مسرت میں سہرے لکھکر عنایت فرمائے وہ بجنسہ درج گلدستہ ہذا ہیں یقین ہے کہ ناظرین انکے پڑھنے سے خالی از لطف نہ ہونگے ہم جناب موصوف کو اس شادی کی تہ دل سے مبارکباد دیتے ہیں۔ ایڈیٹر

سہرے

از تصنیف جناب منشی عنایت اللہ صاحب رازؔ سکندرآبادی

راجہ صاحب کو مبارک ہو پسر کا سہرا
نیک ساعت میں گندھا ہے گلِ تر کا سہرا

لال و گوہر کا ہے یا ہے گلِ تر کا سہرا
جلوہٗ نورِ خدا ہے ترے سر کا سہرا

نہیں رکھتا ہے زمانے میں کہیں مثل و نظیر
اے کنور راج بہادر ترے سر کا سہرا

ہاتھ پھیلاؤ ذرا چھو لینے پھلنے کے لیئے
آج باندھا ہے دعاؤں نے اثر کا سہرا

آنکھیں پڑتی ہیں زمانے کی تو خطرہ کیا ہے
ہے محافظ رخِ زیبا پہ نظر کا سہرا

معنی خوبیٔ رنگِ رخ روشن ہے اگر
تو نزاکت میں بھی مضموں ہے کمر کا سہرا

فرق پر ہو کے فدا کیوں نہ قدموں پہ نثار
یوں جھکا پاؤں پہ اُس رشکِ قمر کا سہرا

چھیڑ سی ہونے لگی بلبل و پروانہ میں
روئے تاباں سے جو اگل ترے سر کا سہرا

بلبل نغمہ سرا عشق ہوئی لایا ہے جو رازؔ
گل مضموں سے بنا کر ترے سر کا سہرا

از جناب قاضی غیاث الدین صاحب خورشید رئیس سکندرآباد

لائی ہر رنگ کے پھولوں کا جو مالن سہرا
سر پہ دولھا کے بندھا غیرتِ گلشن سہرا

مصلحت تھی رخِ گلگوں کو نہ دیکھے کوئی
بن گیا یوں گلِ رخسار پہ چلمن سہرا

حور کیوں پھولوں سے جنت کے بنا کر لائی
شرط یہ ہے ترا گوندھے گی سہاگن سہرا

یوں تو پہلے ہی سے تھی وہ تری شادی سے نہال
باغ باغ آج ہوئی دیکھ کے سمدھن سہرا

گل جو باقی ہیں وہ پژمردہ ہیں اس حسرت سے
لوٹے یوں عارضِ گلرنگ کا جوبن سہرا

ہو مبارک یہ تجھے راج بہادر شادی
تجھ سے کہتا ہے پکڑ کر ترا دامن سہرا

پڑتی ہیں سہرہ پہ نوشہ کی نگاہیں خورشید
سیکڑوں مرغ نظر کا ہے نشیمن سہرا

از تصنیف جناب منشی شوچرن داس صاحب دہلوی

تہنیت گو ہے یہ اقبال کا سر پر سہرا
ظاہرًا جاہ کو کرتا ہے سراسر سہرا

گوہر و لعل سے اتنا ہے منور سہرا
غیرتِ عقدِ ثریا نہ ہو کیونکر سہرا

دستِ گلچیں کا یہ تحفہ ہے ترے سر نوشہ
تازہ پھولوں کا بنا لایا معنبر سہرا

رونمائی میں دولہن ملتی ہے اللہ اللہ
آج نوشاہ کے ہے عیش کا سر پر سہرا

روزافزوں رہے یہ جاہ و جلالِ نوشہ
روئے روشن پہ بنے بخت سکندر سہرا

محفلِ رقص کی زینت ہو دوبالا اس سے
گائیں اربابِ نشاط آکے یہ یکسر سہرا

سب براتی ہوئے تیار جلو میں اسکے
گایا شہنائی نے کس میٹھے سروں پر سہرا

تا ابد دولھا دولھن میں رہے اخلاص بہم
شوچرن داس دعا دیتا ہے لکھکر سہرا

از نتیجہ طبع وقاد عالیجناب کنور بدری کرشن صاحب فروغ وکیل و رئیس اعظم سکندرآباد

جب بندھا راج بہادر ترے سر پر سہرا
گایا زہرہ نے ترا بزم میں آکر سہرا

آج کس دستِ نزاکت نے اسے گوندھا ہے
برگ گل سے بھی زیادہ ہے سکبتر سہرا

صنعت دستِ نگاریں ہو مبارک تجکو
قدرتِ حق کا نمونہ ہے یہ سر پر سہرا

تابشِ حسنِ خداداد کا اللہ رے اثر
بن گیا رخ پہ ترے نور کی چادر سہرا

کیوں نہ لیں بڑھ کے بلائیں مہ پرویں اسکی
چرخ سے آیا ہے انجم کا اُتر کر سہرا

تارِ مقیش ہیں یا تارِ شعاعِ خورشید
گوندھکر لائی ہے مالن ترا پر زر سہرا

ہو رہا ہے عجب انداز سے تجھ پر صدقے
جنبشِ باد سے اتراتا ہے رخ پر سہرا

زینت حسن خداداد کمر پر تلوار ھی
رونق افزائے جمالِ رخِ انور سہرا

طرہ پر کلغی ہے اور کلغی پہ دستار کے پیچ
پیچ پر پیچ ہیں اور پیچ کے اوپر سہرا

پاکے آئینہ رخسار سے نوشہ کے فروغ
بن گیا افسر دیہیم سکندر سہرا

حور جنت بھی ہے مشتاقِ جمالِ نوشہ
کہ صبا رخ سے ہٹا دے کہیں دم بھر سہرا

شور و غوغا ہے زمانے میں سخن سنجی کا
لکھنے بیٹھا ہے یہ کون آج سخنور سہرا

ق

ذوق و غالب کے بھی اس بحر میں سہرے ہیں فروغ
تو نے اُن سے بھی مگر لکھا ہے بڑھکر سہرا

از نتیجہ فکر خاکسار پیارے لال رونق دہلوی ایڈیٹر رسالہ ہذا

جشن شادی کا سزاوار ہو رُخ پر سہرا
آج ہے عیش و مسرت کا ترے سر سہرا

ہو بصد عیش مبارک تجھے اے راج کرشن
رخ پُر نور پہ شادی کا منور سہرا

پنجۂ مہر نے لیں بڑھکے بلائیں جو تری
بن گیا تار شعاعی کا سراسر سہرا

باغ دنیا میں رہا جب نہ کوئی گل باقی
لائیں حوریں ترا جنت سے بناکر سہرا

بکھرے جاتے ہیں جو ہر ایک لڑی سے موتی
صدقے کرتا ہے ترے رُخ پہ جواہر سہرا

سر سے لینے کو بلائیں جو بڑھا قدموں کی
ہو گیا جھک کے ترے قد کے برابر سہرا

فرط عشرت کے سبب کلیاں کھلی جاتی ہیں
پھولا جامے میں سماتا نہیں دم بھر سہرا

شان عالی تری وہ۔ اور یہ اس کا رتبہ
فلک حسن ہے تو ماہ منور سہرا

تیرے آئینہ رخسار پہ قبضہ پاکر
ہو گیا اپنے نصیبے کا سکندر سہرا

چمن حسن پہ ہے بادِ بہاری صدقے
ردے گلگوں پہ ہے پھولوں کا معطر سہرا

وہ پروئے دُرِ خوش آب مضامین رونق
بن گیا سلکِ جواہر کا سراسر سہرا

ایضاً

رخِ نوشاہ پہ ہے بادبہاری سہرا
لیکے آیا ہے مسرت کی سواری سہرا

تیرا وہ رتبۂ اعلیٰ ہے۔ یہ منصب اسکا
کشور حسن ہے تو۔ ہفت ہزاری سہرا

ہمسری حسن کی کرتا ہے نظر میں تلکر
پھولوں ہلکا ہے۔ مگر پھر بھی ہے بھاری سہرا

دیکھنے کے لیئے ہر وقت تماشائے جمال
حسن کی کرنے لگا آئینہ داری سہرا

ہر لڑی سے دُرِ عشرت کی لگی آج جھڑی
تیرے سر چڑھکے بنا رحمت باری سہرا

پھول گیا سامنے گوہر کے چھپیں آنکھوں میں
سب ہے راج بہادر ترا بھاری سہرا

سہرا چہرہ کی پھبن سہرے کی زینت عارض
گلشن حسن ہے تو باد بہاری سہرا

ساغر گل جو مے عیش و طرب سے چھلکے
لطف سے کرنے لگا بادہ گساری سہرا

حسن دنداں پہ جو پڑتے ہوئی نظریں کھیں
چشم دشمن کے لیئے بن گیا آری سہرا

رنگ صہبای طرب وہ ہے یہ جام مے عیش
چشم مخمور پہ ہے آج خماری سہرا

طبع رنگیں نے عجب پھول کھلائے رونق
بن گیا نظم کے گلشن کی کیاری سہرا

غزل حضرت رسا وکیل عدالت و شاعر دربار ریاست رامپور

ملائیں آنکھ وہ کیونکر کہ رخ نقاب میں ہے
حجاب کیا ہے نظر میں۔ نظر حجاب میں ہے

کسی کا عکس جبیں ساغر شراب میں ہے
کہ آفتاب کی تصویر آفتاب میں ہے

نگاہِ شرم غضب آمدِ شباب میں ہے
حیا اس آنکھ میں کیا ہے دلہن حجاب میں ہے

نہ بے حجاب ہے کافر نہ کچھ حجاب میں ہے
عجیب بات تری چشمِ نیمخواب میں ہے

ترا ہی جلوہ ہے یارب جو آفتاب میں ہے
قصور ہے یہ نظر کا کہ تو حجاب میں ہے

ادھر ہے شوق۔ تغافل ادھر جواب میں ہے
ہمارے دلکی تمنا بڑے عذاب میں ہے

مجھے تو شرم گناہوں کی تجھ سے ہے یارب
تجھے حجاب ہے کس سے جو تو حجاب میں ہے

اب آئینہ بھی کبھی سامنے نہیں آتا
وہ شوخ اپنی نظر سے بھی اب حجاب میں ہے

یہ کوئی بات ہے اس کم سنی میں یہ پردہ
ترے حجاب کے دن ہیں جو تو حجاب میں ہے

خدائے پاک کو بندوں کا پردہ رکھنا تھا
یہ سب ہیں کہنے کی باتیں کہ وہ حجاب میں ہے

نقاب رخ سے جو الٹی تو آنکھ سے نیچی
وہ بے حجاب ہے لیکن نظر حجاب میں ہے

خطا پہ حشر میں نازاں ہوں اس لیئے یارب
کہ مجھ غریب کی پرسش تری جناب میں ہے

پرائے دل کا ستانا روا ہے کب تمکو
یہ کس حدیث میں آیا ہے کس کتاب میں ہے

مجھے کچھ اور بھی کمبخت کے سوا کہیے
کہ یہ تو لفظ ازل سے مرے خطاب میں ہے

سخیف دیکھ کے مجھکو کیا نہ کوئی سوال
فرشتے قبر کے بولے یہ کس حساب میں ہے

جگر میں اٹھے کہ دل میں کہاں کہاں اٹھے
کسی کا دردِ محبت بڑے عذاب میں ہے

یہیں شباب بھی پیری میں یاد آئے گا
کہ جیسے یاد لڑکپن ہمیں شباب میں ہے

ہم اور تلخیِ مے کا گلہ معاذ اللہ
روا ہے ہمکو اگر زہر بھی شراب میں ہے

نوشتہ میرے مقدر کا مٹ نہیں سکتا
یہ کوئی حرف غلط ہے کہ اک کتاب میں ہے

یہ طولِ حشر سمائے نظر میں کیا میری
شب فراق کے آگے یہ کس حساب میں ہے

شراب پیتا ہوں توبہ کو رکھ کے مدِ نظر
گناہ کرتا ہوں لیکن نظر ثواب میں ہے

سوارِ توسنِ عمرِ دو روزہ ہے یہ بشر
سفر ہے ملکِ عدم کا قدم رکاب میں ہے

جنابِ شیخ اسی طرح بزمِ وعظ میں سنئے
کہ جیسے پیرِ مغاں محفلِ شراب میں ہے

سوالِ وصل پہ وعدہ بھی ہے تبسم بھی
امید و یاس کا پہلو ترے جواب میں ہے

ہمیشہ کی ہے درِ یار پہ جبیں سائی
یہ بندگی بھی الٰہی کسی حساب میں ہے

اثر پڑے نہ محبت کا اسکے کیا معنے
جو بیقرار ہیں ہم وہ بھی اضطراب میں ہے

شراب پینے سے عزت ہی بزمِ ساقی میں
گناہ کرنا بھی داخل یہاں ثواب میں ہے

رسا بھی آیا ہے محشر میں داورِ محشر
قصور وار بھی حاضر تری جناب میں ہے

کمالِ دہلی

مصرع طرح

دامنِ عاشق بنا ہے دامنِ گل کا جواب

اخلاق - جناب سیّد اخلاق حسین صاحب دہلوی

اشک خوں میں جانِ ابر رنگینیِ گل کا جواب
نالۂ پُر درد سمجھو شورِ بلبل کا جواب

اُس کے آنے کی نہ آنے کی خبر تو کچھ ملے
لائے تو قاصد کہیں سے غیرتِ گل کا جواب

اُس نے کی بے اعتنائی مجھ پہ عشق طاری ہوا
جان جوکھوں سے دیا میں نے تغافل کا جواب

فصلِ گل میں کس خطا پر کر لیا اُس کو اسیر
کچھ تو دے صیاد آخر عرضِ بلبل کا جواب

مضطرب دل کے لیئے دونوں دوائیں زہر ہیں
وہ تامل ہو تمہارا یا تامل کا جواب

بارہا دیکھا ہے آئینہ میں اُس کا ہم شبیہ
کون کہتا ہے نہیں اُس غیرتِ گل کا جواب

اُنکے ہونٹوں کا تبسم کہہ رہا ہے صاف صاف
ہم سے بڑھکر کون دیگا خندۂ گل کا جواب

چپکے چپکے کہہ رہے ہیں غنچہ و گل باغ میں
کچھ نہیں آتا سمجھ میں عرضِ بلبل کا جواب

حالِ دل تک اُن سے کہنا ترک ہم نے کر دیا
اِس سے بڑھکر اور کیا ہوگا تغافل کا جواب

دل کے خوش کرنے کو اے اخلاق تو ہی مغتنم
کم ہی دلّی میں ہے تری شانِ تغزّل کا جواب

احسان - جناب ابو الاحسان منشی عبد القادر صاحب اُستاد انجمن اربابِ محبت بھڑوچ

اور ہے بیلا چنبیلی اور ہے چنپا گلاب
سارے گلشن میں نہ نکلا کوئی اُس گل کا جواب

اب کہاں نغمہ سرائی لب پہ اک نالہ نہیں
میری خاموشی بھی ہے تصویرِ بلبل کا جواب

غربتِ عشاق ہوگی آپ ہی اپنی نظیر
افتخارِ عاشقی ہوگا تجمّل کا جواب

بادشاہوں میں نہ ہوگا کوئی مجھ سا شادماں
بادشاہی بھی نہیں میرے توکّل کا جواب

چیخ اُٹھی ہے قیامت سُن کے نالوں کو مرے — شورِ محشر ہو نہیں سکتا مرے غل کا جواب
رہ گیا صیاد بھی اپنا کلیجہ تھام کر — موسمِ گل میں سُنا جب اُسنے بلبل کا جواب
فرق اس میں تل برابر بھی نہیں جانِ جہاں — خالِ مشکیں آپ کا ہے شمع کے گل کا جواب
ہچکیاں آنا تہِ خنجر ہوئے بسمل کا بھی — ہو بہو اب ہو گیا ہے شورِ قلقل کا جواب

[illegible]

ہیجان - جناب محمد سلطان مرزا صاحب دہلوی

مضطرب وہ ہاں گا ہیں (ہیں) — میرے نالے کیوں نہوں فریادِ بلبل کا جواب
آپ ہیجان اُسنے کرتے ہیں گلے شکوے عبث — دو ہی فقروں میں ہمیں دیجائینگے کل کا جواب

تسلیم - عالیجناب شیخ امیر اللہ صاحب مدظلہ یادگار حضرت نسیم دہلوی

شمعِ تربت کا مری ہر پھول ہے گل کا جواب — سوزِ پروانہ ہے سوزِ داغِ بلبل کا جواب
اپنی کہتا ہے نہیں سنتا کسی میخوار کی — کیا غرض ہے کون دے شیشہ کی قلقل کا جواب
رات بھر عرضِ تمنا بیٹھے چپ سنتے رہے — اِک نہیں جو کہی ہوئی وقتِ سحر کل کا جواب
کیوں نہوں مشتاق نغمہ زخم مثلِ گوشِ گل — نوکِ پیکاں دل میں ہے منقارِ بلبل کا جواب
دیکھئے تقدیر میں لکھے ہیں کیا کیا پیچ و خم — وہ دل میرا بنا ہے اُسکی کاکل کا جواب
یہ قدِ رعنا سرو ہے وہ ہے نثارِ حسنِ گل — عاشقوں میں کون ہے قمری و بلبل کا جواب
آپ سے جاتا رہا ہوں یاد کچھ آتا نہیں — بیخودی میری بھی ہے تیرے تغافل کا جواب
روز آتی ہے قیامت ایک دن آتی نہیں — دونوں عالم میں نہیں اسکے تجاہل کا جواب
غنچہ و گل دونوں سنتے ہیں مگر خاموش ہیں — ایک بھی دیتا نہیں فریادِ بلبل کا جواب
ہمسری اور اسکی زلفوں سے طمانچے مار کر — دیتی ہے بادِ صبا دعوائے سنبل کا جواب
شکلِ نقشِ پا ہوں اے زاہد خدا پر ہے نظر — بے زبانی ہے مری تیرے توکل کا جواب
چرخ پائے گا کہاں مشکل کتنا سا شہوار — گر ہلالِ سہ بنا بھی نعلِ دلدل کا جواب
چھپ گیا نظروں سے سر اتنا چڑھایا چرخ نے — اوج میرا ہو گیا میرے تنزل کا جواب
تھے نسیم دہلوی تسلیم رشکِ گلشنی — اب سمجھتے ہیں ہمیں استاد آمل کا جواب

جوشش - جناب پنڈت لبھو رام صاحب ملسیانی مدرس اول مدرسہ محرم پور جالندھر

یار کے رخسار کو باندھوں اگر گل کا جواب ۔ نالۂ دل ہو مرا فریاد بلبل کا جواب
ہیں ترے لبہائے نازک غنچہ و گل کا جواب ۔ سنبلیں گیسو بنے ہیں شاخ سنبل کا جواب
جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھوگے جوش گریہ میں ۔ رونیوالو! یہ ترقی ہے تنزل کا جواب
گریۂ خونیں نے کی ہیں کیا عجب گل کاریاں ۔ دامن عاشق بنا ہے دامن گل کا جواب
سو سمندر ہیں نہاں ایک ایک قطرہ میں یہاں ۔ چشم مینا کے لیئے ہر جزو ہے کل کا جواب
وصل کی شب ہو چکی اب دم بخود بیٹھا ہوں میں ۔ میری خاموشی ہی مرغ صبح کے غل کا جواب
خود گل تر کو بھی حسن بے بقا کا غم ہی جوش ۔ قطرۂ شبنم بنا ہے اشک بلبل کا جواب

حیران - جناب محمد صادق صاحب تلمیذ جناب حسن و سائل دہلوی

اک خموشی کا عوض ہے ایک ہی غل کا جواب ۔ غیرت گل تو اگر ہے میں ہوں بلبل کا جواب
دیر قاصد کو لگی ہے یا الٰہی خیر ہو ۔ دیکھئے کیا رنگ لاتا ہے تامل کا جواب
پڑ گئی جس پر نظر ساقی کی بے خود کر گئی ۔ کیوں نہ ہو وہ چشم میگوں ساغر مل کا جواب
خود بخود آئے جگر تھامے ہوئے وہ میرے گھر ۔ مل گیا مجھکو مرے صبر و تحمل کا جواب

خلیق - جناب منشی عبدالخالق صاحب دہلوی تلمیذ جناب سائل دہلوی

اُسکے عارض نے دیا رنگینی گل کا جواب ۔ میرا نالہ بن گیا ہے شور بلبل کا جواب
پینا ہی پڑتا ہے یہ مجھکو گزیر و ناگزیر ۔ خون دل کو جانتا ہوں ہجر میں مل کا جواب
چند روزہ ہی بہار حسن اے جاں یاد رکھ ۔ کہتے ہیں دور خزاں کو موسم گل کا جواب

ذاکر - جناب شیخ برکت اللہ صاحب دہلوی تلمیذ جناب شیدا دہلوی

ہی رخ رنگیں ترا رشک چمن گل کا جواب ۔ مو بمو ہے گیسوے پرپیچ سنبل کا جواب
شکوۂ جور و جفا بیکار ثابت ہو گئے ۔ چین پیشانی نے اُنکی دیدیا کل کا جواب
گو غرور حسن سے ہوتا نہیں ہے ہمکلام ۔ گل کی خاموشی ہی گویا شور بلبل کا جواب
جتنے وہ کھنچتے رہے بڑھتی گئی ہے آرزو ۔ مضطرب دل ہی میرا اُنکے تغافل کا جواب
خون ہو ہو کر سراپا چاک پیراہن کیا ۔ یوں دیا گلشن میں گل نے عرض بلبل کا جواب
اوس کے قطرے نہیں ہیں پھوٹکر روئے ہیں گل ۔ ہے زبان حال میں فریاد بلبل کا جواب

اشکِ خونیں دل سے کچھ کچھ کر چھلکتے ہی رہے
میری آنکھیں ہو گئیں ہیں ساغرِ مُل کا جواب

ہجر کی شب میں بکھر کر لینیاں لینے لگا
ہے دھواں آہوں کا میری اُنکی کاکُل کا جواب

لوٹ ہے طرزِ سخن پر میری ذاکرؔ اک جہاں
خوش بیانی ہو گئی آہنگِ بلبل کا جواب

رحمتؔ - جناب رحمت اللہ صاحب - بلند شہری

پھول سے رُخسار اُس گلرو کے ہیں گل کا جواب
اور مری فریاد ہے فریادِ بلبل کا جواب

ہم قضا کی نیند سوئے جب نہ لی اُسنے خبر
اور کیا کرتے تغافل تھا تغافل کا جواب

شورِ بلبل میرے زخموں پر چھڑکنا چاہئے
نالۂ ہُواُن سے قاتل خندۂ گل کا جواب

عقدۂ موئے کمر ہے موجبِ دلبستگی
ہے سیہ بختی ہماری اُسکی کاکل کا جواب

اِک زباں سے پوچھ لو تشریحِ دردِ جسمِ زار
جزو گو کہنے کو ہے دیگی مگر کُل کا جواب

خاکسار پیارے لال رونقؔ دہلوی - ایڈیٹر گلدستہ ہذا

داغِ دل - داغِ جگر ہیں لالہ و گل کا جواب
نقشِ فریادی ہوں ہیں تصویرِ بلبل کا جواب

لائے کس گھر سے کوئی تیرے تغافل کا جواب
بیقراری ہو نہیں سکتی تحمل کا جواب

ناتوانی میری ہمرنگِ نزاکت ہو گئی
وہ جوابِ برگِ گل ہے میں رگِ گل کا جواب

گھونٹ پیتے ہیں لہو کے یادِ چشمِ مست میں
شیشۂ دل ہے ہمارا ساغرِ مُل کا جواب

بے پئے بدلا ستم کا نزع میں چوکا نہیں
پھیر کر آنکھیں دیا اُسنے تغافل کا جواب

دیکھکر موئے پریشاں ہر گھڑی ہے پیچ و تاب
بن گئی تارِ رگِ جاں اُن کی کاکل کا جواب

تیغِ قاتل نے کھلا رکھا ہے دل میں اک چمن
خندۂ زخمِ جگر ہے خندۂ گل کا جواب

جلوے وحدت کے نظر آتے ہیں کثرت میں ہمیں
صاف ہے آئینۂ جزو میں عیاں کُل کا جواب

آ رہی ہے بادۂ الفت سے حق حق کی صدا
شیشۂ دل دے رہا ہے شورِ قلقل کا جواب

لیعنی مستی بھر دیا دونوں میں عشقِ یار نے
دل مرا مینا ہے آنکھیں ساغرِ مُل کا جواب

دل سے یادِ زلف میں نکلی جو آہِ آتشیں
بن گیا دودِ فغاں گلشن میں سنبل کا جواب

چشم و گردن دیکھ کر ساقی کی ہو جاتا ہوں مست
اِک صراحی کا ہے اک ہے ساغرِ مُل کا جواب

اُلجھنیں بڑھنے لگیں رونقؔ پریشانی میں ہے
شامِ ہجراں بن گئی ہے اُنکی کاکل کا جواب

شیدا۔ خاکسار چندی پرشاد دہلوی ایڈیٹر رسالۂ ہذا

رنج و راحت سے چمن میں ہی تقابل کا جواب / نالۂ بلبل بنا ہی خندۂ گل کا جواب
آ رہا ہی چرخ سے یوں آہ بلبل کا جواب / آسماں پر ہے دھواں سا آتش گل کا جواب
پڑ گئی کیسی چمن میں اُس رخ سادہ سے اوس / رنگ عارض دے رہا ہی آتش گل کا جواب
پھانس رکھی ہیں ہزاروں گردنیں عشاق کی / حلقۂ جوہر بنا خنجر میں کاکل کا جواب
باغ رضواں کا قبالہ ہو گیا ضبط النفس / حسن کے پردے میں ہی میری توکل کا جواب
بن گیا قطرہ بھی دریا اے سرور بیخودی / جوش مستی نے دیا ہی جزو میں کل کا جواب
زخم رنگیں کر گئی دل کے تری نوک مژہ / میرا پہلو بن گیا ہی تختۂ گل کا جواب
سوز پنہاں نے اُتارا سیکڑوں ارماں کی پار / بحر دنیا میں نہیں اس آتشیں پل کا جواب
دود آہ عاشقاں کی ژولیدہ مو زلف بتاں / دیکھ دُہرا باغباں ہی تیرے سنبل کا جواب
ہاے رنج الفت سکوں بھی ہی برابر کا حریف / بیقراری ہی مری اُنکے تغافل کا جواب
اُڑ رہی ہیں کیا چمن میں ہر طرف چنگاریاں / نالۂ بلبل میں دیکھا آتش گل کا جواب
شام پنہاں ہی سحر میں واہ رے اعجاز حسن / کان کی لو کا دھواں دیتا ہی کاکل کا جواب
منزل دنیا میں یوں سوتے ہیں ہم آرام سے / شکر بستر ہے تو ہے تکیہ توکل کا جواب
اُنکی نظروں کے تصور ہی میں شیدا مست ہیں / جنکی آنکھیں ہیں جہاں میں ساغر مل کا جواب

شمیم۔ جناب بابو چھیتر مل صاحب بھرتپوری۔ تلمیذ جناب شیدا دہلوی

ہے خیال چشم میگوں شیشۂ مل کا جواب / آمد و شد ہے نفس کی شور قلقل کا جواب
اپنا دود آہ ہے پیچیدہ سنبل کا جواب / نالۂ شوریدہ ہے فریاد بلبل کا جواب
وہ سیاہی نامۂ اعمال کی روشن ہوئی / رحمت حق بن گئی میرے توکل کا جواب
عارض رنگیں تمھارا بن گیا رشک چمن / باغ عالم میں کہاں پیدا ہی اس گل کا جواب
فصل گل آتے ہی وحشت نے جمایا اپنا رنگ / اپنی حالت کا تغیر ہے تبدل کا جواب
چل بسی صبح جوانی شام پیری آ گئی / دیدیا حال تغیر نے تبدل کا جواب
گریۂ خونیں شب ہجراں میں یہ لایا ہی رنگ / دامن عاشق بنا ہے دامن گل کا جواب

تم شب وعدہ نہ آئے ہیں تڑپ کر مر گیا | بن گئی میری قضا تیغِ تغافل کا جواب
یہ بلائے جاں ہے وہ آفت ہے دل کے واسطے | ہے درازیٔ شبِ غم اُن کی کاکل کا جواب
چشمِ حق بیں کو جز و کل ایک آتا ہے نظر | کل میں ہے جزو کا ہر جزو میں کُل کا جواب
عمر کا بڑھنا گھٹاتا ہے متاعِ زیست کو | ہے نہاں اپنی ترقی میں تنزل کا جواب
داغ کھائے اک گلِ خوبی کی الفت میں شمیم | بن گیا طاؤس دل اپنا بھی بلبل کا جواب

شوقؔ۔ جناب سید محمد اسد اللہ صاحب بنارسی ساکن محلۂ چوہٹہ لعل خان

بڑھتی جاتی ہے ابھی سے دل کی اُلجھن ہجر میں | بن گئی آخر شبِ غم تیری کاکل کا جواب
دل کے بدلے دردِ دل دیکر کیا مضطر مجھے | کیا یہی تھا اے ستمگر اس تحمل کا جواب
کر دیا بیہوش محفل میں جمالِ یار نے | ہو گئی جوشِ جوانی ساغرِ مل کا جواب
دیکھ لے زاہد اگر چشمِ حقیقت کھول کر | ایک نقطہ میں نظر آنے لگے کل کا جواب
دیدیا اے شوقؔ گلزارِ جہاں میں سبزہ نے | چشم نے نرگس کا اور گیسو نے سنبل کا جواب

صبرؔ۔ جناب حاجی محمد اسمعیل خانصاحب رامپوری تلمیذ حضرت تسلیم لکھنوی

دلفریبی میں اگر ہو تیری کاکل کا جواب | باغِ عالم میں نہ نکلے پھر تو سنبل کا جواب
غیر سے کیا پوچھتا ہے دیکھ لے او بے خبر | میرا خوابِ مرگ ہے تیرے تغافل کا جواب
عشق میں کس غیرتِ گلزار کے کھائے ہیں داغ | اپنے جوبن میں ہر اک ہے عارضِ گل کا جواب
بیخودی ہوتی ہے پیدا دید سے او مستِ ناز | تیری آنکھیں ہیں نشیلی ساغرِ مل کا جواب
لطفِ سیرِ گلستاں ہے سینۂ مجروح میں | خندۂ زخمِ جگر ہے خندۂ گل کا جواب
کٹ گیا سر بھی مرا قاتل مگر اُف تک نہ کی | غیر ممکن ہے مرے صبر و تحمل کا جواب
جان کر انجان بنجاؤں تمھاری طرح سے | جب ملے پورا تمھیں اپنے تجاہل کا جواب
اُف رے سوزِ شعلۂ غم کیا ٹھکانا ہے ترا | گھلتے گھلتے ہو گئی بلبل رگِ گل کا جواب
مجھکو ساغر جب دیا دشمن کو ہچکی لگ گئی | شیشہ سے کو ملا اس طرح قلقل کا جواب
یہ جنونی ہے کہ سودائی ہے سنبل ہر گھڑی | ہے اسی اُلجھن میں ہو جاؤں میں کاکل کا جواب
سانس کا ڈورا چلا جس دم دمِ شمشیر پر | مل گیا دنیا میں مجھکو حشر کے پُل کا جواب

ہم سمجھتے ہیں اُسے اہلِ بلاغت دہر میں
جو وہم تقریر دے اِک جزو میں کُل کا جواب

سب چٹک جاتے ہیں غنچے جب صبا کہتی ہے یہ
ہر کلی ہے غنچہ منقارِ بلبل کا جواب

میں وہ ہوں دیوانۂ زلفِ مسلسل دشت میں
شورِ محشر ہے مری زنجیر کے غل کا جواب

سر چڑھا کر اُسنے قطروں سے گرایا جب مجھے
آنکھ سے آنسو گرا بنکر تنزل کا جواب

کہنے دو کہتے ہیں جو کچھ حاسدانِ کینہ جو
اِک خموشی صبر عالی ظرف ہے کُل کا جواب

طالب۔ جناب حافظ و قاری محمد عبد الرحمن صاحب رامپوری تلمیذ حضرت رسا

مثل غنچہ ہے دہن رخسار ہیں گُل کا جواب
چشم نرگس ہے تری زلفیں ہیں سنبل کا جواب

بحرِ الفت سے اُترنا غیر ممکن تھا مگر
تیغ قاتل ہو گئی میرے لیے پُل کا جواب

دین و ایمان جان و دل مَیں نے فدا تم پر کیے
پھر بھی تم ملتے نہیں کیا اِس تغافل کا جواب

فخرِ عالم ہے رسول اللہ کی ذاتِ شریف
شانِ خالق ہے یہی جز کو کہا کل کا جواب

باغِ عالم میں بہت دیکھے ہیں مثلِ گُل حسیں
اے صبا پایا کہیں بھی تو نے اُس گل کا جواب

ہائے وہ انداز وہ شوخی وہ حسنِ دلفریب
ہو نہیں سکتا کہیں اُنکے تجمل کا جواب

عندلیب۔ جناب منشی رادھے لال صاحب باندوی تلمیذ جناب آمر باندوی

کیا فقط ہے عارضِ رنگیں رخِ گُل کا جواب
کاکلِ پُر پیچ بھی ہے اُنکی سنبل کا جواب

داستانِ غم مری سنکر کہا بالکل غلط
ایک فقرے میں دیا اُس شوخ نے کل کا جواب

گُل شگفتہ دیکھ کر جو وہ ہنسے ہیں باغ میں
کیا ہی برجستہ دیا ہے خندۂ گُل کا جواب

ہجر میں دیتے ہیں اکثر لے جوانانِ چمن
نالہائے دل مرے فریادِ بلبل کا جواب

رنگِ عارض ہی نہیں ہے غیرتِ گُل آپکا
ہے کمر بھی آپ کی تارِ رگِ گُل کا جواب

وعدہ پر آیا نہیں وہ لالہ رو جو اے عندلیب
ہے دلِ پژمردہ مرجھائے ہوئے گل کا جواب

عاجز۔ جناب لالہ بھاگیرت لال صاحب تلمیذ حضرت وجاہت

بادۂ اطہر کے قصے زاہد و رہنے بھی دو
آبِ کوثر ہو نہیں سکتا کبھی حُل کا جواب

ذرّے ذرّے میں چمک ہے مہرِ عالم تاب کی
غور سے دیکھو تو ہر اک جزو ہے کُل کا جواب

مدرسے ہندوستاں میں یوں تو عاجز ہیں بہت
آج تک دیکھا نہیں ہم نے گرو کل کا جواب

عاجزؔ۔ جناب مولانا ابوالاتقیا رسید لئیق احمد صاحب رئیس سہسوان

خندۂ زخمِ جگر ہے خندۂ گل کا جواب
نالۂ پرشورِ دل ہے شورِ بلبل کا جواب

برگِ گل لب ہیں تو رخ رنگینیٔ گل کا جواب
چشمِ نرگس کا ہے زلفِ یار سنبل کا جواب

یہ بھرا خونِ جگر۔ اُس میں شرابِ لالہ رنگ
آبلہ دل کا بنا ہے شیشۂ مُل کا جواب

اِس چمن میں دیکھنے آیا گلِ رخسارِ یار
ہو کے عاشق بن گیا ہوں چشمِ بلبل کا جواب

آج محفل میں جو وہ ساقی کرم فرما نہیں
ہو گیا قیدِ گلو سے شیشۂ قلقل کا جواب

عمر بھر میں نے جگر کھایا لہو اپنا پیا
دے کوئی اک جو برابر اس توکل کا جواب

یا الٰہی ہنا. رکھنا منہ کو میرے روزِ حشر
شورِ محشر ہو نہیں سکتا مرے غل کا جواب

گزرے ہیں عاجزؔ کے یارانِ طریقت فاقہ مست
کون دیکھتا ہے اربابِ توکل کا جواب

عاشقؔ۔ جناب محمد عاشق علی صاحب مہرولوی تلمیذ حضرت راسخ دہلوی

چشمِ بد دور آپ کا رخ ہے اگر گل کا جواب
تو ہمارا بھی دلِ وحشی ہے بلبل کا جواب

فصلِ گل آتے ہی لائی رنگ چشمِ خونچکاں
دامنِ عاشق بنا ہے دامنِ گل کا جواب

چُپ رہا سہ کر جفائیں تو جفائیں اور کیں
تھا ستمگر یہ مرے صبر و تحمل کا جواب

روکشِ مینائے مے ہے گردنِ ساقی اگر
چشمِ میگوں ہے سراسر ساغرِ مُل کا جواب

اِس میں شانِ خاکساری اُسمیں ہے بوئے ریا
ہے گلیم اپنی بھی زاہد تیری فرغل کا جواب

میرے پھولوں میں سجائی بزمِ عشرت آپ نے
واہ کیا کہنا دیا کیا محفلِ قل کا جواب

رشکِ فصلِ گل ہے عاشقؔ میری سینہ کی بہار
خندۂ زخمِ جگر ہے خندۂ گل کا جواب

غوثؔ۔ عالیجناب نواب سید محمد غوث صاحب رئیس دہلی وا ونریری مجسٹریٹ بھرتپور

گو کہ ممکن ہی جہاں میں جز و اور کل کا جواب
پر حریصوں ہو نہیں سکتا توکل کا جواب

جسکو دیکھا اُسکو فوراً مست و بیخود کر دیا
اُنکی چشمِ مست بھی ہے ساغرِ مُل کا جواب

پاس ہی ہوتی تو بیڑہ عاشقوں کا غرق تھا
عشق کے دریا میں ہے اُمید ہی پُل کا جواب

وہ اگر ہے گل پہ مفتوں یہ گلِ رخسار پر
چشمِ عاشق بن گئی ہی چشمِ بلبل کا جواب

سائلِ بوسہ ہوا اُس شاہدِ خوباں سے جو میں
مفلسی میری بنی اُسکے تمول کا جواب

پاکے تنہا جب ہوا سائل میں فرط شوق سے   ہنسکے فرمایا تجسّس تو وصل کا جواب
عرض مطلب پر وہ بولے بات کو یوں ٹالکر   تیری بیتابی ہوئی میرے تسائل کا جواب
تیرگی مثلِ شب ہجراں کبھی جاتی نہیں   بخت عاشق بن گیا ہے زلف کے کاکل کا جواب
طولِ شوقِ مدعا کی کچھ نہو جب انتہا   غور ہو سکتا ہے کوئی اِس تسلسل کا جواب

فیاض - جناب فضل الدین صاحب از کپورتھلہ - تلمیذ حضرت رنجور

عارضِ رنگیں ہے تیرا لالہ و گل کا جواب   زلف عنبر بیز ہے ریحان و سنبل کا جواب
خوب سنبل کو ملی آشفتہ رہنے کی سزا   بنکے آیا تھا جہاں میں اُسکی کاکل کا جواب
بزم مے میں ہنسکر اُسنے جام کو شرمادیا   قہقہہ سے دیدیا مینا کی قلقل کا جواب
کب یہ ممکن ہے کہ اے فیاض دنیا میں ملے   عشق کامل میں مرا - خوبی میں اُس گل کا جواب

جناب حکیم قنبر صاحب احمد آبادی

اللہ اللہ مدعائے وصل کا یہ اختصار   میں سوالِ جز میں بھی پانے لگا کل کا جواب
ٹھکرسے ٹھکرسے محتسب کا بزم میں دل ہوگیا   چشم میکش ہوگئی ہے ساغر مُل کا جواب

قیس - جناب ہدایت اللہ صاحب تلمیذ حضرت سائل دہلوی

کیا کہوں اے نامہ بر لکھا ہی کیا اُسنے مجھے   خار ہے میرے لئے اِس غیرت گل کا جواب
حال کہنے کا طریقہ اور ہے معشوق سے   گُل بھلا کیا خاک دیتا شورِ بلبل کا جواب
وہ حسینوں میں ہی یکتا - چاہنے والوں میں ہم   اب ہمارا ہی جہاں میں ہی نہ اُس گل کا جواب
کائنات دہر کی ساری حقیقت کھل گئی   دیدۂ بینا سے دیکھا جزو میں کل کا جواب
بے زبانی پر ترس کھا کر گلوں کی باغ میں   غنچے دیتے ہیں چٹک کر شور بلبل کا جواب
عشق میں اک لیلی نازک بدن کے ہی یہ حال   پسلیاں ای قیس میری ہیں رگ گل کا جواب

مشتاق - جناب محمد مرزا صاحب تلمیذ جناب بدر اکبر آبادی

آنکھ جس سے ملتی ہے بدست ہوتا ہی وہی   دیدۂ ساقی ہے گویا ساغر مُل کا جواب
تیغ قاتل نے عطا کیں اسقدر گلکاریاں   ہوگیا ہر زخم میرے جسم پر گل کا جواب
حلق پر چل کر جب مجھے ملک عدم پہنچا گئی   تیغ قاتل ہوگئی حق میں مرے پل کا جواب

جام کی صورت ہے گل اور قطرۂ شبنم ہے پھول ۔ رنگِ گلشن آجکل ہے ساغر و مل کا جواب
آتشِ رخ نے کسی کی اس قدر پھونکا چمن ۔ چشمِ بلبل میں ہوا گل شمع کے گل کا جواب
ہے کسی کے موئے کاکل کی محبت رات دن ۔ کیوں نہ ہر تارِ نفس ہو تار سنبل کا جواب

معجز۔ جناب عبد الرحمن صاحب قادر آبادی تلمیذ جناب رونق دہلوی

نالہ ہائے دل نہوں کیوں شورِ بلبل کا جواب ۔ ہے کسی کا مسکرانا خندۂ گل کا جواب
مے پرستی سے ہوئے مدہوش ایسے بادہ خوار ۔ قہقہہ دینے لگا شیشہ کی قلقل کا جواب
خارزارِ دشتِ الفت میں اُڑا کر دھجیاں ۔ دامنِ عاشق بنا ہے دامنِ گل کا جواب
وہ تماشاگاہِ جم اس سے زمانہ فیضیاب ۔ ساغرِ جم خاک ہوگا ساغرِ مل کا جواب
پہلے تو کم فرصتی کا عذر تھا قاصد انھیں ۔ دیکھئے اب خط میں کیا لکھیں تساہل کا جواب
جانتا ہوں میں حقیقت نرگس و سنبل کی خوب ۔ ہم شبیہ چشم وہ۔ یہ اُن کی کاکل کا جواب
عشق میں تمکو ہی معجز کس قدر خود رفتگی ۔ تذکرہ ہے مصر کا۔ دیتے ہو کابل کا جواب

محروم۔ جناب منشی تلوک چند صاحب۔ از ڈیرہ اسمٰعیل خان

ہیں بتوں کی مشکبو زلفیں تو عارض لالہ رنگ ۔ ہند کا ہر شہر ہے تاتار و کابل کا جواب
پنجۂ وحشت سے کچھ۔ کچھ دیدۂ خونبار سے ۔ دامنِ عاشق بنا ہے دامنِ گل کا جواب
سرنگوں خورشید ہے۔ ماہِ مبیں ہے داغدار ۔ کس سے بن سکے تری شانِ تجمل کا جواب
باغِ دنیا سے اٹھیں گے دیکھ لینا شاد شاد ۔ ہیں سبک روحی میں ہم بھی نکہتِ گل کا جواب
شعرِ طالب پر تو اے محروم مجکو وجد ہے ۔ ہے یہ طالب۔ طالبِ خوشگو و آمل کا جواب

مرزا۔ جناب سید علی مرزا صاحب محرر جنگی و برادر حقیقی چچازاد نواب سید سلطان مرزا

نالۂ شبگیر ہے یاں شورِ قلقل کا جواب ۔ چشمِ پُرخوں ہے ہماری ساغرِ مل کا جواب
سب سے بڑھکر ہو غزل اک سعی لاحاصل ہے یہ ۔ جزو ہو سکتا نہیں مرزا کبھی کل کا جواب

مشتاق۔ بٹالوی خلف مولوی عبد العزیز خاں صاحب تلمیذ جناب رسا

ہیں اگر رخسار اُس سفاک کے گل کا جواب ۔ مو بمو ہے زلف بھی ریحان و سنبل کا جواب
شورِ محشر۔ اٹھے کشتوں کے مزاروں کی صدا ۔ ایک ٹھوکر انکی ہو سکتی ہے ان کل کا جواب

کیا کہا ہے خوب مصرع کسی اُستاد نے | دامن عاشق بنا ہے دامن گل کا جواب

مضطر - عالیجناب حکیم اسد علیخاں صاحب رئیس دہلی

ظلم اُس کا صبر میرا ہے تقابل کا جواب | وہ ستمگر اور میں - صیاد و بلبل کا جواب
زیرِ شاخِ گل ہے مدفن عندلیب زار کا | گل کا ہمسایہ ہے بیشک دامنِ گل کا جواب
میرے نالوں سے ہوا جاتا ہے محشر گوشہ گیر | بانگ صور حشر دیگی کیا مرے غل کا جواب
ہوں پریشاں کس طرح سنبل سے نسبت دیجئے | گھاس ہو سکتی ہے کیونکر اُنکی کاکل کا جواب
آپ کیونکر کر سکیں گے رشک دشمن دل سے دور | آپ دینگے کس طرح میرے تخیل کا جواب
غور سے دیکھو زمین و آسماں کا فرق ہے | کاسۂ مہر فلک ہے ساغرِ مُل کا جواب
باعثِ جور و جفا ہے کیا مرا صبر و شکیب | کیا ستم ہے آپ کا میرے تحمل کا جواب
پرسشِ عرضِ تمنا ہو رہی ہے نعش سے | کون دے ظالم پس مردن ترے قُل کا جواب
لیگئی اُسکی درازی روز محشر پر فروغ | میری شامِ غم بنی ہے اُنکی کاکل کا جواب
فکر میری کچھ پرے ہے عالمِ ادراک سے | کوئی دیسکتا ہے کیا میرے تخیل کا جواب
گریہ خوں میں برنگِ بادۂ احمر نہیں | چشمِ عاشق بن گئی ہے ساغرِ مُل کا جواب
بادہ کش کیا بیچ لیں گے ہو نہ جبتک بیخودی | آبِ حیواں ہو نہیں سکتا کبھی مُل جواب
کیوں سُنے فریادِ بیکس کیوں کھائے اپنا دل | کیا غرض گل کو وہ کیوں دے شورِ بلبل کا جواب
سوزِ فرقت سے برنگ اخگر سوزاں نہیں | میرا ہر لختِ جگر ہے شمع کے گل کا جواب
اِک جہاں برہم ہے تیری شوخیِ رفتار سے | رستخیز حشر ہوگی اُس تنزل کا جواب
زار نالی عاشقوں کی ہے حسینوں کی ہنسی | نالۂ بلبل نہ ہو کیوں خندۂ گل کا جواب
مانتے ہیں تجکو مضطر خوشنوائے روزگار | کیوں نہ ہو تیرا سخن آہنگ بلبل کا جواب

گل کبھی دیتا نہیں کیوں عرضِ بلبل کا جواب - ایک خاموشی ہے گویا دفترِ گل کا جواب

نادر - جناب محمد اسحٰق صاحب روشنائی فروش تلمیذ جناب سائل دہلوی

تیرے عارض بن گئے رنگینیِ گل کا جواب | میرے نالے دے رہے ہیں شورِ بلبل کا جواب
گردنِ ساقی صراحی دار آتی ہے نظر | دیدۂ مخمور سمجھو ساغرِ مُل کا جواب
تیرہ بختی کے سوا میں اور کیا حاضر کروں | میرے امکاں میں نہیں ہے تیری کاکل کا جواب

اُڑ رہے ہیں میکدے میں ہر طرف جام شراب
مل رہا ہی چار سو سے شور قلقل کا جواب

کس لیئے سر پہ اُٹھایا تو نے گلشن عندلیب
کون دیگا تجکو تیرے شورش و غل کا جواب

میرے اشکوں کی لڑی سلکِ درِ نایاب ہے
ابر نیساں سے بنے کیا اس تسلسل کا جواب

جان جبو کی دل لیا صد مے ہزاروں سہ لیے
بے نیازی کی ادا سے تم نہ دو کل کا جواب

بات یہ ایمان کی کہتا ہو نادر سچ تو ہی
ہمنے دیکھا ہی نہیں اُردو تغزل کا جواب

ندیم - جناب مشتاق احمد صاحب تلمیذ جناب صمیم بلند شہری

طائر دل آہ و نالے میں ہی بلبل کا جواب
داغ سینہ میں مرے بڑھکر ہوا گل کا جواب

کاکل مشکیں بڑھیں اب اُنکے عارض کیطرف
لو نظر آنے لگا پھولوں میں سنبل کا جواب

آفتاب می کی گرمی رنگ لائیگی ضرور
ساغر زریں ہے رندو ساغر مل کا جواب

وصل گر تمکو نہیں منظور لکھئے صاف صاف
سادہ کاغذ ہو نہیں سکتا کہیں کل کا جواب

اُنکے گالوں کی جو سُرخی نے دکھایا اپنا رنگ
بادِ صرصر نے نہ رکھا گلشن و گل کا جواب

ابروؤں سے مصحف رُخ کی تجلی ہے دو چند
مجکو محراب عبادت میں ملا اقبل کا جواب

نثار - جناب سید مسعود صاحب دہلوی تلمیذ حضرت قمر بدایونی

تو ہے خود رشکِ چمن عارض ترے گل کا جواب
آنکھ رشک چشم نرگس زلف سنبل کا جواب

وہ گلِ گلزارِ خوبی ہے اگر گل کا جواب
عاشقِ ناشاد و نالاں بھی ہو بلبل کا جواب

مجھ پریشاں سے اُلجھنے کا مزا آجائے گا
بل مری قسمت کے دینگے تیری کاکل کا جواب

کیا کہے اُس بات پر جسکو نہ سمجھے آدمی
میکشوں میں کون دیسکتا ہی قلقل کا جواب

رنگ میں خوشبو میں اے گلگوں قبا اے گلبدن
سر بسر ہی تیرا دامن دامن گل کا جواب

پھول ہنس کر رہ گئے غنچہ چٹاک کر رہ گئے
سوسنِ تر تو ہی دے فریاد بلبل کا جواب

اپنے حصے کی پلائی شیخ گھر بیٹھے تمھیں
فاقہ مستی میں دیا ہمنے توکل کا جواب

اِک نظر دیکھا جسے وہ مست و بے خود ہو گیا
چشم ساقی بن گئی ہی ساغر مل کا جواب

اور تو جوشِ جنوں میں کون سُنتا تھا مری
میرے نالے تھے فقط زنجیر کے غل کا جواب

لیجے مجھ سے میرا دل بھی ہائے تم واقف نہیں
اب تمھیں کیا دوں تمھارے اس تجاہل کا جواب

خط کو میرے پڑھکے اُسپر لکھدیا بالکل غلط
ایک فقرے میں دیا ہے میرے کل کا جواب

وہ جواب خط نہ لکھیں اب مجھے چین آگیا
صبر سے دونگا ستمگار ہنسے شاید کا جواب

مجرمؔ* ۔ جناب محمد زکریا صاحب دہلوی تلمیذ جناب رونق صاحب دہلوی

اشکِ خونیں دامنِ عاشق پہ ہیں گل کا جواب
نالۂ پر درد ہے فریادِ بلبل کا جواب

جس کو دیکھا میکدے میں مست و بیخود کر دیا
چشمِ ساقی دیر ہی ہے ساغرِ مُل کا جواب

جامِ جم گو آئینہ بن جائے اسکندر کا آج
ہو نہیں سکتا ہمارے ساغرِ مُل کا جواب

کیوں کرے فریاد و زاری ہجرِ گل میں عندلیب
رنگِ خاموشی میں پنہاں ہے تغافل کا جواب

اِس میں شانِ عز و تمکیں ۔ ہے یہیں استغنا کی بو
ہے گلیمِ فقر بھی شاہوں کی فرغل کا جواب

شکوہ ہائے جور پر مجرم ہوئے چیں بر جبیں
کس نئے انداز سے دیتے ہیں وہ کل کا جواب

وجاہتؔ ۔ جناب وجاہت حسین صاحب اڈیٹر اصلاحِ سخن ۔ لاہور

ہے کہاں مسجد میں زاہد شیشۂ مُل کا جواب
تیری ہو حق ہو نہیں سکتی ہے قلقل کا جواب

اُس سہی قامت نے چھوڑیں اپنی زلفیں دوش پر
سرو میں پیدا ہوا ہے آج سنبل کا جواب

قتل کر ڈالو جو تم مجھ کو تو میرے خون سے
توسنِ عمرِ رواں بن جائے دُلدُل کا جواب

ہو گئے ہیں اُسکی چشمِ مست سے کتنے ہی مست
ہے یہ چھوٹی سی پیالی اک خمِ مُل کا جواب

کان رکھ کر گل نہیں سنتے نہیں سنتے ذرا
اِن کی یہ خاموشیاں ہیں شورِ بلبل کا جواب

اشکِ خونیں سے کھلائے ہیں عجب خوش رنگ پھول
آج بلبل نے دیا ہے باغ میں گل کا جواب

بعدِ مردن بھی رہیگی ان میں باہم لاگ ڈانٹ
برہمن کے پھول ہونگے شیخ کے قُل کا جواب

چھوڑ دے سامان اطمینان پیدا کر ذرا
ورنہ استغنا ہے اس تیرے توکل کا جواب

عمر بھی کیا چیز ہے جتنی بڑھی اتنی گھٹی
اِس ترقی میں نظر آیا تنزل کا جواب

عاشقوں کے حلم پر ایسی شرارت اے بتو
شوخیوں سے تم نہ دو صبر و تحمل کا جواب

دیکھ لو اے عاشقو مضمون خطِ تقدیر کا
لکھ دیا ہے یار نے اک مرتبہ کل کا جواب

دل کے آئینہ میں اُس کا عکس ہے جلوہ فگن
ہم نے پیدا کر لیا ہے تیری کاکُل کا جواب

عاشقوں کا نالہ و فریاد سُن کر چپ ہیں وہ
اے وجاہت اور ہو کیا خاک اِس غُل کا جواب

* بوجہ سہو کاتب خلافِ ترتیب لکھی گئی۔

ہاجر۔ جناب رگھناتھ سنگھ صاحب دہلوی۔

جلد بنتا ہے تامل سے تامل کا جواب ہے توجہ یار کی میرے تحمل کا جواب

ہجر۔ جناب نواب ناظم علیخان صاحب ایڈیٹر زبان اردو تلمیذ حضرت داغ

ہم وہ عاشق جسکی الفت عشق بلبل کا جواب تم وہ گلرو جس کا عارض عارض گل کا جواب

وہ تو وہ الفت میں ہمکو بھی خبر اپنی نہیں ہے ہماری بے خودی انکے تغافل کا جواب

داغ دل داغ جگر دونوں برابر ہیں ہمیں سچ تو یہ ہے ایک گل ہے دوسرے گل کا جواب

کس کو یاد آئی مرے اللہ مجھ میخوار کی ہوگئی ہیں ہچکیاں شیشے کی قلقل کا جواب

حب سے گھائل ہیں کسی گلرو کی تیغ عشق کے خندۂ زخم جگر ہے خندۂ گل کا جواب

یا یہی کہہ دو تغافل پیشہ ہوتے ہیں حسیں یا کوئی معقول دو اپنے تغافل کا جواب

سچ تو یہ ہے رشک گلشن تمکو کہنا چاہیئے پھول سے رخسار ہیں زلفیں ہیں سنبل کا جواب

ہم تو بلبل اس گل گلزار خوبی کے ہیں ہجر ہو بہو صورت ہے جس کی چہرۂ گل کا جواب

زوّار۔ جناب سید زوّار حسین صاحب ساکن جلال آباد ضلع مظفر نگر

یہ دل پرخوں ہے اپنا ساغر مل کا جواب نالہ و فریاد ہے مینا کی قلقل کا جواب

عشق میں اس عارض رنگیں کے ہوکر چاک چاک دامن عاشق بنا ہے دامن گل کا جواب

لاکھ نالاں ہوں کریں فریاد بھی خواہان وصل کون دیتا ہے وہاں اس شورش و غل کا جواب

دیکھنا زوار لاثانی ہے وہ نام خدا خلق میں ملتا نہیں اس حامی کل کا جواب

ہمارا ارادہ ہے کہ نئے سال سے اس پرچہ کو مفید نظم و نثر مضامین سے اور بھی زیادہ دلچسپ بنا دیں لیکن یہ ایک دو آدمی کا کام نہیں۔ جبتک متفقہ کوشش نہ کیجائے اس لئے یقین ہے کہ ہمارے معزز احباب ناظرین گلدستہ ہذا اپنی فراخ دلی کا کامل ثبوت دیکر مالی و قلمی امداد سے کمال کی قدر افزائی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نفرمائینگے۔ قدر افزایان رسالہ میں سے جو صاحب کم از کم مبلغ ؏ زر چندہ بطور معاونت عطا فرمائینگے انکے نام نامی ایک سال تک فہرست سرپرستان و معاونین میں شکریہ کے ساتھ شائع ہوتے رہینگے مصرع پہنچتے ہی طرح ذیل پر غزلیات مرحمت ہوں "یہاں دل کی ضرورت ہے یہ باتیں ہیں حقیقت کی"۔ بابت ماہ مارچ "عیسیٰ ہیں سینکڑوں کوئی بیمار بھی تو ہو"

نوٹ پچھلی دفعہ بوجہ دیر میں چھپنے کے ناول کا حصہ شامل گلدستہ نہو سکا انشاء اللہ یہ کمی آیندہ کے نمبر یا پوری کردیجائیگی۔ ایڈیٹر

معزز شعراء و قابل نامہ نگاروں کی خدمت میں التماس ہے کہ اپنے اپنے مفید و دلچسپ مضامین و غزلیات وغیرہ بہت جلد ارسال فرمایا کریں تاکہ اشاعت رسالہ میں تاخیر نہوا کرے ہم چاہتے ہیں کہ رسالہ ٹھیک وقت پر ناظرین کے قابل قدر ہاتھوں میں پہنچ جایا کرے بعض صاحب اسوقت غزلیں ارسال فرماتے ہیں جبکہ رسالہ بالکل تیار ہوجاتا ہے آیندہ جو صاحب ٹھیک وقت پر اپنا کلام ارسال نکرینگے وہ داخل دفتر کردیاجائیگا

٭ یہ غزل بوجہ دیر میں وصول ہونیکے خلاف ترتیب درج ہوئی

رُمبلڈ"، تحقیقات کی غرض سے۔ اور یہ موقع کیونکر ہوا۔

دو اسپ سوار مسافروں نے میری جھونپڑی کے پاس سخت سفر کے بعد آرام کرنے کی غرض سے قیام کیا۔ ایک کا نام "رمزے" تھا اور دوسرے کا نام "ولکاٹ"۔

"رُمبلڈ"۔ آہ میرے پورانے ساتھی دلی دوست۔ کیا وہ تمہاری جھونپڑی کے پاس ٹھیرے۔ مجکو اُن کا سفر ہمپشایر کا یاد ہے۔ جو چند ہفتہ پیشتر کیا تھا۔

"بدقسمت عورت"۔ ہاں وہ میرے بوسیدہ جھونپڑے کے پاس ٹھیرے تھے اور وہ صرف ایک گھنٹہ۔ اُسوقت تک کہ اُن کے گھوڑوں نے تازہ گھاس کھائی اُنہوں نے ایک دوسرے کا نام لیکر گفتگو کرنی شروع کی۔ تب میں نے اُن کو معلوم کیا کہ وہ کون تھے اور اپنی گفتگو کے مابین اُنہوں نے اتفاقاً تمہارا ذکر کیا۔

آہ۔ میرا دل کسطرح تھرتھرایا۔ جبکہ تمہارا نام پھر ایک مرتبہ انسانی آواز میں میرے کانوں تک پہونچا۔ اور اُنہوں نے کچھ ایسے الفاظ میں تمہارا ذکر کیا جس سے ثابت ہوتا تھا کہ وہ تمہارے قدیمی دوست تھے۔ اُنہیں کی زبانی آپکے مسکن کا بھی حال سُنا جب وہ چلے گئے تو میں نے اِس واقعہ کو خداساز امر سمجھا۔ اور معلوم کیا کہ تم زندہ ہو۔ اور یہاں رہتے ہو۔ لیکن تاہم میں نے وہاں سے روانہ ہونے اور تمہارے مسکن کو تلاش کرنے میں پس و پیش کیا۔ اِس خوف سے کہ مبادا جب میں اپنے آپ کو تمہارے قدموں میں ڈالونگی۔ تو آپ کی حضوری سے لات مار کر نکال دی جاؤنگی۔ انجام کار میں نے نہایت ہمت اور مضبوطی کے ساتھ سفر اختیار کیا اور خدا خدا کر کے خود کو آپ تک پہونچایا۔

"رُمبلڈ"۔ بیشک تمہاری تکلیفات اُس سے زیادہ ہیں جس غلطی کیلئے تم نے توبہ کی ہے اب تم اس سقف کے نیچے ایک مکان پاؤگی جو تمہارے رہنے کیلئے ہے لیکن ایک بات اور ہے کہ مجھ سے اُس آدمی کا جس نے تمہارے ساتھ دغا کی حلیہ

بیان کرو۔ کہ جس سے میں خیال کرسکوں کہ آیا میں نے کبھی ایسے آدمی کو دیکھا بھی ہے یا نہیں اور اگر نہیں دیکھا ہے تو میں اُسکو تمہارے بیان کردہ حُلیہ سے اتفاقیہ ملجانے پر شناخت کرسکوں۔

"ہُیرنٹا"۔ خوف کے جوش میں آکر۔ نہیں نہیں رچرڈ میں اس بارے میں کچھ بیان نہیں کرسکتی۔ میں التماس کرتی ہوں کہ مجکو اُس بیرحمی کے امتحان میں نہ ڈالویں اُن گذشتہ واقعات پر زیادہ بسر نہیں کرسکتی۔ یہ امر معلوم ہوتا ہے کہ میرے دماغ پر پھر دیوانگی کا اثر ڈالیگا۔ یعنی وہ خیال مجکو سخت رنج دہ ہوگا۔ آہ مجکو معاف رکھو معاف رکھو۔ رمبلڈ نے یہ ارادہ کرکے کہ آئندہ اور مناسب موقع کیلئے اُس بیان کو جسکو وہ جاننا چاہتا تھا ملتوی کیا جائے۔ کہا اچھا۔ تم اسوقت اپنے آپ کو تسکین دو

"ہُیرنٹا"۔ (کچھ دیر ٹھیرکر) تم نے اپنے مکان کے نیچے میرے لئے ایک پناہ گاہ دینا کیا ہے اور میں بھی اسکو قبول کرتی ہوں۔ لیکن تم میری ناسازی حالت پر اسقدر مہربانی کروگے۔ کہ مجکو حجرے میں بالکل تنہائی میں رہنے دوگے۔ اور خوشی اور شادی کے جلسوں میں کبھی مجکو شامل ہونیکے لئے نہ بلاؤگے"۔

"رمبلڈ" (بات کاٹ کر) بہن ایک لفظ کافی ہے تم اپنے خاص افعال کے خود مالک ہوگی اور اب مجکو وہاں چلنا چاہیئے۔ کہ تم کو وہ مکان بتا دوں۔ جو اسوقت سے خاص تمہارے لئے ہوگا۔ میں بعد اسقدر جوش کے جو تم کو اسوقت ہوا ہے یہ تجویز نہیں کرتا کہ تم میری زوجہ و دختر سے آج شام کو ملو۔ کل تمہارے دل کو اُس آرام سے جسکی تم کو زیادہ ضرورت ہے تسکین ہوجائیگی۔

"ہُیرنٹا"۔ ہاں ہماری اوّل ملاقات کل کے لئے رکھو۔ اور اسوقت میں ملاقات کیلئے اچھی طرح تیار ہوجاؤنگی۔ اُسپر کرنیل اپنی بہن کو ایک جُداگانہ کوٹھری میں لے گیا اور عمدہ بسترہ اُس کیلئے مہیّا کردیا۔ اور سلام بندگی کرکے اپنے دیوانخانہ کی طرف اپنی دختر

اور زوجہ کو رائے ہاؤس میں ہیرنتا کی آمد کی اطلاع دینے کیلئے چلا گیا

باب چہارم

ماہی گیر

ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ برکف
بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد

اس واقعہ کے بعد جوابھی بیان ہوا ہے اگلے دن دوپہر کو درختوں کے گنجان سایہ میں رائے ہاؤس سے چوتھائی میل کے قریب ایک نوجوان شریف دریا میں مچھلی کا شکار کر رہا تھا وہ ایک خوبصورت جگہ تھی جہاں وہ اپنے شکار کے انتظار میں تھا۔ زمین گھاس کے گداز قالین سے ڈھکی ہوئی تھی۔ جھکے ہوئے درختوں کی گنجان شاخوں سے جو اپنے جھلملاتے ہوئے سایوں کو چشمہ پر پریشان کر رہی تھیں۔ ایک کنج نما سرد خلوت بن گئی تھی۔ دن گرم تھا یعنے (اس روز زیادہ گرمی تھی) آفتاب نیلگوں شفاف آسمان میں چمک رہا تھا اور اگرچہ ہوا ہلکے جھوکے کے ساتھ نہیں چل رہی تھی لیکن باوجود اسکے گھاس کی خوشبو رنگ برنگ دار پھولوں کی خوشبو کے ساتھ جو چاروں طرف کھل رہے تھے۔ ملکر نہایت خوشگوار معلوم ہوتی تھی۔ ماہی گیر خود ایسا تھا جسکی موجودگی اسطرف گذرنے والے مسافر کا جوش میلان اپنی طرف کھینچے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ کیونکہ اُن کی شباہت صرف چہرے کی انسانی خوبصورتی اور رنگ و روغن اور عمدہ تناسب قد کے باعث ہی قابل لحاظ یا قابل تعریف نہ تھی بلکہ اُسکی وضع بھی درست اور موزوں تھی۔ اُسکی نہایت معمولی انداز میں یہ قدرتی صفت پائی جاتی تھی۔ اور اُس کے خط و خال کے اظہار دیکھنے والے پر پہلی ہی نظر

میں تحکمانہ اثر ڈالنے کیلئے نہایت موزوں تھے - اُسکی عمر قریب ۲۲ یا ۲۳ برس کی تھی - اُس کے بال جو سیاہی مائل تھے اور اپنی تیز چمک کے سبب قطعی سیاہ معلوم ہوتے تھے - کسیقدر دراز تھے اور اُس کے طرحدار سر کے چاروں طرف باقاعدہ بل کھائے ہوئے تھے - اُسکی آنکھیں سیاہ تھیں - اور دانشمندی اور انسانی لیاقت اُس سے ظاہر ہوتی تھی - اُسکی سردارانہ پیشانی سے معلوم ہوتا تھا کہ اُس کے اعلی فیاضانہ خیالات کبھی عالم بیکاری میں نہیں رہے تھے - ایماندارانہ راستبازی اُسپر تاج شاہی کی مانند موجود تھی - جو اُس معمولی تاج سے بھی جو کسی بادشاہ کے سر پر ہوتا ہے زیادہ بیش قیمت تھی - اور باوجود اِس کے اُس کے عمدہ لب نہایت خوبصورتی کے ساتھ معرف تھے - اور کوئی ناواجب فخر ظاہر نہیں کرتے تھے کہ جو انسانی طبعیت کی مناسب عظمت سے زیادہ ہو - اسکا چہرہ ٹھیک مطابق یونانیوں کے شکل کا تھا - اور تناسبت اعضا میں کوئی قصور نہ تھا اور اُس کے چہرے کے آئینہ میں مردانہ روح کے خیالات پرتو انداز تھے - اُس کی ابرو جو اُس کے بالوں سے زیادہ سیاہ تھے - اور بدینوجہ بالکل کالے تھے نہایت عمدگی سے محرابدار بنے ہوئے تھے - اور اُسکی کشادہ پیشانی کے شریفانہ ظہور کو ترقی دے رہے تھے - لیکن اگرچہ اسطرح پر گہرے خط کشیدہ تھے - لیکن وہ معرف خطوط میں بے قاعدہ نہ تھے - اُسکی مونچھیں جو ابروؤں کی مانند تھیں اِسقدر گھندار تھیں کہ اوپر کے لب کو چھپاتیں بلکہ اور زیادہ زیب دیتی تھیں - اُسکی کل مونچھیں بڑی نہ تھیں بلکہ گھونگروالی اور چمکدار تھیں - اور خلاف دستور زمانہ اُسکی ڈاڑھی ٹھوڑی کے مقام سے تھوڑی سی مونڈھی ہوئی تھی - اسکا قد لمبا تھا قریبا چھ فٹ اسکی بلندی تھی اور بالکل سیدھا تھا - اور اگرچہ کمر نازک تھی - تاہم شانوں کے مناسب فربہی اور سینہ کی چوڑائی اور کشادگی سے اسکی طاقت اور